جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

صفر المظفر ۱۴۳۲ھ جنوری ۲۰۱۱ء

بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست



کلمۃ الحق مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن بجنوری کا سانحہ ارتحال

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اس دار فانی میں جو بھی آیا ہے رہنے کے لیے نہیں بلکہ یہاں سے کوچ کرنے کے لیے آیا ہے، کل نفس ذائقة الموت، کل من علیھا فان ،ایک نا قابل انکار حقیقت ہے، دراصل دار دنیا اس لیے نہیں ہے کہ انسان اس میں ہمیشہ ہمیشہ قیام پذیر رہے بلکہ یہاں کی صورت حال تو یہ ہے۔

در بزم عیش یک دو قدح نوش کن برو یعنی طمع مدار وصال دوام را

اسی لیے کسی شاعر نے کہا ہے۔

ولو کانت الدنیا تدوم لاھلھا لکان رسول اللّٰہ فیھا مخلدا

بہر حال یہاں جو بھی آیا اپنا وقت پورا کر کے کوچ کر گیا وہ حضرات یقیناً خوش قسمت ہیں جنہوں نے اپنی زندگی کے لمحات کو مقصد حیات کے پانے میں صرف کیا اور اپنی زندگی کے سرمایہ اور متاع گراں مایہ کو ضائع نہیں ہونے دیا، دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمن بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کا شمار بھی انہی شخصیات میں ہوتا تھا، نئے اسلامی سال کے آغاز پر (یکم محرم الحرام ۱۴۳۲ھ بدھ ۸ دسمبر ۲۰۱۰ء) ان کے سانحہ ارتحال کی خبر سے نہایت افسوس ہوا مگر بجز صبر اور رضا بالقضاء کے کوئی چارہ نہیں انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔ دل سے دعا ہے کہ حق تعالیٰ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے درجات بلند فرماویں اور ان کی خدمات جلیلہ کو قبول و منظور فرمائیں اور ان کے پسماندگان کو صبر و اجر سے سرفراز فرمائیں، بلاشبہ یہ صدمہ صرف ام المدارس دارالعلوم دیوبند کا نہیں بلکہ مسلک دیوبند سے وابستہ تمام حضرات کا ہے لیکن خاص طور پر دارالعلوم دیوبند اس سے براہ راست متاثر ہوا ہے اس لیے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ام المدارس دارالعلوم دیوبند میں پیدا ہونے والے اس خلا کو جلد مکمل کرادیں اور ایشیا کی اس عظیم دینی درس گاہ کے فیض کو قیامت کی صبح تک جاری رکھیں آمین۔

احقر اگر چہ دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس منعقدہ مارچ ۱۹۸۰ء میں حضرت والد ماجد مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ دیوبند حاضر ہوا تھا اور وہاں تین روز تک حضرات اکابر رحمہم اللہ تعالیٰ کی زیارت اور ان کے بیانات سننے کا شرف بھی حاصل ہوا لیکن احقر کو حضرت مولانا مرحوم کی زیارت اور ملاقات کے متعلق صحیح طور پر یاد نہیں اور بعد میں بھی ملاقات وزیارت کا موقع نہیں ملا اس لیے احقر آپ کے بارہ میں حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب دامت برکاتہم کے مضمون سے بعض اہم اقتباسات مجلّہ الحقانیہ کے ادارتی صفحات پر شائع کردینا مناسب سمجھتا ہے جو ہفت روزہ ضرب مؤمن میں شائع ہوا ہے۔ حضرت مولانا زاہد الراشدی ''مولانا مرغوب الرحمٰن کا سانحہ ارتحال'' کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

''۸ر دسمبر ۲۰۱۰ء مطابق یکم محرم الحرم ۱۴۳۲ھ بروز بدھ صبح ساڑھے دس بجے دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب ان کے آبائی وطن بجنور میں انتقال کر گئے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون ،حضرت مرحوم گذشتہ چند ماہ سے ضعف وعلالت کی وجہ سے بجنور میں قیام پذیر تھے، وہیں اپنے گھر پر انہوں نے جان جان آفریں کے سپرد کردی، حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب کی عمر تقریباً سو سال تھی اور وہ تیس سال سے دارالعلوم کے منصب اہتمام پر فائز تھے،ان کا دور اہتمام دارالعلوم کی تاریخ کا ایک تابناک حصہ ہے،ان کی قیادت میں دارالعلوم نے بے مثال ہمہ جہت ترقی کی،تعلیمی،تعمیری اعتبار سے دارالعلوم کہیں سے کہیں پہنچ گیا، بے شمار تعمیرات وجود میں آئیں ، پرانی عمارتوں کی تعمیر نو عمل میں آئی ، بہت سے نئے تعلیمی شعبے قائم ہوئے ، تعلیمات کے نظام میں اصلاحات ہوئیں ،حضرت مرحوم دارالعلوم دیوبند سے ۱۳۵۲ھ مطابق ۱۹۳۲ء میں فارغ ہوئے اور ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹۶۲ء میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے ممبر منتخب ہوئے ، اجلاس صد سالہ کے بعد ۱۹۸۱ء میں مددگار مہتمم مقرر ہوئے اور ۱۹۸۲ء میں منصب اہتمام پر فائز ہوئے ، مرحوم نے نہایت نازک وقت میں دارالعلوم کی قیادت سنبھالی اور اپنی خداداد صلاحیت اور تدبر سے مثالی انداز میں خدمات انجام دیتے ہوئے جوار رحمت حق میں پہنچ گئے۔

دارالعلوم دیوبند کے صد سالہ اجلاس میں والد محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر، عم

مکرم حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی اور دیگر اکابر علماء کرام کے ساتھ مجھے بھی دیوبند حاضری کی سعادت حاصل ہوئی تھی، وہ اجتماع جنوبی ایشیا کی سطح پر دیوبندی علما کا سب سے بڑا اور تاریخی اجتماع تھا، جس کی حسین یادیں اب تک ذہن میں تازہ ہیں، اس اجتماع کے بعد ایشیا کی اس سب سے بڑی دینی یونیورسٹی کو نظر لگ گئی اور حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نوراللہ مرقدہ کی دارالعلوم کے اہتمام سے سبکدوشی کا سانحہ پیش آیا تو دنیا بھر میں دیوبندی مکتب فکر کے ہر شخص کو یہ غم اور فکر لاحق تھی کہ اب دارالعلوم کا کیا ہوگا؟ اور اتنی بڑی شخصیت کہاں سے آئے گی جو حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی کا خلا پر کر سکے گی، مگر حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن نے اس حوصلے اور متانت وسنجیدگی کے ساتھ اس منصب کو سنبھالا کہ ان کی وفات کے بعد انہیں ان الفاظ کے ساتھ خراج عقیدت پیش کیا جا رہا ہے کہ ان کی قیادت میں ''دارالعلوم دیوبند کہیں سے کہیں پہنچ گیا''۔

تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے میں اکثر یہ عرض کیا کرتا ہوں فکر و فلسفہ اور تہذیب وثقافت کی آج کی عالمی جنگ میں دیوبند ''لینن گراڈ'' کا مقام رکھتا ہے، جہاں سے دوسری جنگ عظیم میں جرمنوں کی پسپائی شروع ہوئی تو پھر انہیں ان کے اپنے ملک نے بھی پناہ دینے سے انکار کر دیا، دارالعلوم دیوبند کے اس تاریخی کردار ومقام میں بلاشبہ حضرت مولانا مرغوب الرحمٰن کا بھی بڑا حصہ ہے انہوں نے ایک اہم اور نازک دور میں مسلسل تیس سال تک دارالعلوم دیوبند کی قیادت کی ہے اور عمر عزیز کا ایک بڑا حصہ اس عظیم ادارے اور تحریک ومشن کی خدمت میں بسر کیا ہے، وہ دنیا بھر کے دیوبندیوں کے اپنے دور کے سب سے بڑے بزرگ تھے، ان کی ذات دیوبند سے نسبت رکھنے والوں کے لیے ایک بڑا سہارا تھی اور ان کی شفقت اور دعائیں فرزندان دیوبند کی پشتیبان تھیں، اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کریں اور ہم سب کو ان کا مشن جاری رکھنے کی توفیق سے نوازیں''۔ (ضرب مومن ۱۰ تا ۱۶ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ)

فقط

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ

۲۶ محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق ۲ جنوری ۲۰۱۱ء

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

درس قرآن کریم

بشارت مؤمنین وصالحین

حق تعالیٰ شانہ کی یہ سنت ہے کہ جب کبھی ترغیب اور وعدہ اور بشارت کا ذکر فرماتے ہیں تو اس کے ساتھ ترہیب اور وعید اور انذار کو بھی ذکر فرماتے ہیں تا کہ خوف اور رجاء سے مل کر ایمان میں ایک اعتدالی کیفیت پیدا ہو جائے اسی سنت کے مطابق حق تعالیٰ نے ان آیات میں جب انذار اور کافروں کی وعید کو ذکر فرمایا تو آئندہ آیات یعنی وبشر الذین امنوا الایة میں مؤمنین صالحین کیلئے بشارت کا ذکر فرمایا نیز وہ انذار اور تہدید اگر چہ دشمنوں کو تھی مگر عاشقان جان نثار میں تو اس کے سننے کی بھی سہار نہیں وہ تو سن کر گھبرا جاتے ہیں اس لیے ان کی تسلی اور دل تھامنے کے لیے بشارت ذکر فرمائی تا کہ بشارت کی مسرت اور مخاطبت کی لذت سے وہ پریشانی مبدل بہ شادمانی ہو جائے، چنانچہ فرماتے ہیں: اور خوشخبری دے دیجئے آپ ان لوگوں کو جو اس کتاب پر ایمان لائے اور اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے کی تصدیق کی اور اس کتاب کی ہدایت کے مطابق نیک عمل کیے کہ ان کیلئے عجیب قسم کے باغات ہیں ہر ایک کا باغ اس کے ایمان اور عمل صالح کے مطابق ہوگا جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، عثمان غنی فرماتے ہیں کہ عمل صالح اس عمل کو کہتے ہیں جو خالص اللہ کیلئے ہو اور ریاء سے بالکلیہ پاک ہو کما قال تعالیٰ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرك بعبادة ربه احدًا۔

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عمل صالح وہ عمل ہے جس میں چار چیزیں جمع ہوں (۱) علم (۲) نیت (۳) صبر (۴) اخلاص (معالم التنزیل) ایمان کے بعد عمل صالح کا ذکر اس لیے فرمایا کہ بشارت کا پورا استحقاق جب ہے کہ جب ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ بھی ہوں، اس آیت میں متعلقات ایمان اور اعمال صالحہ کی تفصیل نہیں فرمائی صرف بالاجمال اتنا کہہ دیا کہ جو لوگ ایمان دار اور نیک کردار ہوں گے ہم انہیں ان کے وہم وخیال سے بڑھ کر انعام دیں گے۔

جنت لغت میں باغ کو کہتے ہیں لیکن اصطلاح شریعت میں ایک خاص مکان کا نام ہے جو نشأۃ آخرت میں ہمیشہ کے لیے ابرار ومتقین کو عنایت ہوگا جیسا کہ جہنم اس مخصوص مکان کا نام

ہے جس میں کفار کو ہمیشہ کے لیے اور گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے لیے رکھا جائے گا، جنت اور جہنم پر ایمان بالغیب رکھتے ہیں اور اس کی حقیقت کی تحقیق کے درپے نہیں، آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ نے جس قدر جنت اور جہنم کے احوال و اوصاف بیان کیے ہیں ان پر ان سے ایک حرف بھی زیادہ نہیں کیا جاسکتا اس لیے کہ عالم غیب میں قیاس نہیں چلتا۔

تجری من تحتھا الانھار جن کے نیچے سے نہریں نہایت تیزی سے بہتی ہیں۔

کلما رزقوا منھا من ثمرۃ رزقًا قالوا ھذا الذی رزقنا من قبل واوتوا بہ متشابھًا جب کبھی دیے جائیں گے ان باغوں میں سے کوئی پھل کھانے کے لیے تو یہ کہیں گے کہ یہ وہی ہے کہ جو ہم پہلے دیے گئے اور دیے جائیں گے وہ ایسا پھل کہ جو محض دیکھنے میں ایک دوسرے کے مشابہ اور ہم رنگ ہوگا مگر ذائقہ میں مختلف ہوگا۔عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عباس اور دیگر حضرات صحابہ سے منقول ہے کہ یہ تشابہ اور تماثل محض لون اور صورت کے اعتبار سے ہوگا مزہ اور لذت میں ایک دوسرے سے بالکل جدا ہوگا یہ اس لیے ہوگا تا کہ ہر مرتبہ جدید مسرت اور نئی خوشی حاصل ہو،خلاصہ یہ کہ جنت کے میوے شکل اور صورت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہوں گے مگر مزے میں جدا اور مختلف ہوں گے اہل جنت جب کسی پھل کو دیکھیں گے تو یہ کہیں گے کہ یہ وہ پہلا ہی پھل ہے مگر جب چکھیں گے تو مزہ اور ہی پائیں گے۔

ولھم فیھا ازواج مطھرۃ اور ان کے لیے وہاں ایسی عورتیں ہوں گی کہ جو ہر قسم کی ظاہری اور باطنی گندگی سے پاک ہوں گی وھم فیھا خلدون اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے یعنی یہ نعمتیں ہمیشہ رہیں گی،دنیا کی نعمتوں کی طرح ان کو زوال اور فنا نہیں نعمت کتنی ہی عظیم الشان کیوں نہ مگر زوال اور فنا کا اندیشہ اس کو مکدر کر دیتا ہے......اس لیے ارشاد ہوا کہ تم مطمئن رہو ہمیشہ تم انہی نعمتوں میں رہو گے۔تنعم اور لذائذ کا مدار تین چیزوں پر ہے (۱)عمدہ مکان (۲)لذیذ کھانے (۳)حسین وجمیل عورتیں اس لیے حق تعالیٰ شانہ نے جنت تجری من تحتھا الانھار میں عمدہ مکان کا اور کلما رزقوا الخ میں لذیذ کھانوں کا اور ولھم فیھا ازواج مطھرۃ میں حسین وجمیل ازواج کا ذکر فرمایا۔ (معارف القرآن للشیخ کاندھلوی)

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

عن انس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ومعاذ ردیفہ علی الرحل قال یامعاذقال لبیك یارسول اللّٰہ وسعدیك قال یامعاذقال لبیك یارسول اللّٰہ وسعدیك قال یامعاذقال لبیك یارسول اللّٰہ وسعدیك ثلاثاً قال مامن احد یشھدان لاالہ الااللّٰہ وان محمداًرسول اللّٰہ صدقاًمن قلبہ الاحرمہ اللّٰہ علی النار،قال یارسول اللّٰہ افلااخبربہ الناس فیستبشروا قال اذاً یتکلوا فاخبربھا معاذ عندموتہ تأثمًا۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ کو جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک ہی کجاوے پر سوار تھے پکارا،اور فرمایا یا معاذ! انہوں نے عرض کیالبیك یارسول اللّٰہ وسعدیك حضور نے پھر پکارا یا معاذ انہوں نے عرض کیالبیك یارسول اللّٰہ وسعدیك حضور نے پھر پکارا یا معاذ انہوں نے عرض کیا لبیك یارسول اللّٰہ وسعدیك تین دفعہ ایسا ہوا پھر حضور نے (اس آخری دفعہ میں) فرمایا جو کوئی سچے دل سے شہادت دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں ،تو اللہ نے دوزخ پر ایسے شخص کو حرام کردیا ہے ۔حضرت معاذ نے (یہ خوشخبری سن کر) عرض کیا کیا میں لوگوں کو اس کی خبر نہ کردوں؟ تاکہ وہ سب خوش ہوجائیں ۔حضور نے فرمایا پھر وہ اسی پر بھروسہ کرکے بیٹھ جائیں گے ،پھر حضرت معاذ نے کتمان علم کے گناہ کے خوف سے اپنے آخری وقت میں یہ حدیث لوگوں سے بیان کی ۔

تشریح:

ان دونوں روایتوں (۱۳،۱۲) کے ابتدائی تمہیدی حصے کی مطابقت ویکسانیت سے ظاہر ہے کہ ان دونوں کا تعلق ایک ہی واقعہ سے ہے،اور فرق صرف یہ ہے کہ پہلی روایت میں

دعوت اسلام قبول کرنے کے لیے اللہ کی عبادت کرنے اور شرک سے بچنے کا عنوان استعمال کیا گیا ہے اور دوسری میں اسی حقیقت کو توحید و رسالت کی شہادت کے عنوان سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس کی مزید تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اسی بشارت کی تیسری روایت میں حضرت معاذ نے توحید کے ساتھ نماز اور روزہ کا بھی ذکر کیا ہے یہ روایت مشکوٰۃ میں مسند احمد کے حوالہ سے نقل کی گئی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

من لقي الله لا يشرك به شيئاً و يصلي الخمس و يصوم رمضان غفر له، قلت افلا ابشرهم يا رسول الله؟ قال دعهم يعملوا۔

جو شخص اللہ کے سامنے اس حال میں جائے گا کہ شرک سے اس کا دامن پاک ہو، اور وہ پانچوں نمازیں پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو تو وہ بخش ہی دیا جائے گا (معاذ کہتے ہیں) میں نے عرض کیا حضور! اجازت ہو تو میں سب کو یہ بشارت سنا دوں؟ آپ نے فرمایا جانے دو انہیں عمل کرنے دو۔

ان تینوں روایتوں کا عنوان اگرچہ مختلف ہے اور ظاہری الفاظ میں اجمال و تفصیل کا کسی قدر فرق ہے لیکن درحقیقت ہر روایت کا مطلب یہی ہے کہ جو کوئی دعوت ایمان و اسلام کو قبول کرلے گا (جس کے بنیادی اصول و احکام شرک سے بچنا، توحید و رسالت کی شہادت دینا، اور نماز پڑھنا، روزہ رکھنا ہے) تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نجات کا حتمی وعدہ ہے۔

پس جو لوگ اس قسم کی روایات سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ توحید و رسالت کی شہادت ادا کرنے اور شرک سے بچنے کے بعد آدمی خواہ کیسا ہی بدعقیدہ اور بدعمل کیوں نہ ہو بہر حال وہ اللہ کے عذاب سے مامون و محفوظ ہی رہے گا اور دوزخ کی آگ اس کو چھو ہی نہ سکے گی، وہ ان بشارتی حدیثوں کا صحیح مفہوم اور مدعا سمجھنے سے محروم ہیں، نیز دوسرے ابواب کی جو سیکڑوں حدیثیں (بلکہ قرآن کی آیتیں بھی) ان کی اس خام خیالی کے صریح خلاف ہیں اور وہ ان سے منحرف ہیں، اعاذنا اللہ من ذلك۔

(معارف الحدیث)

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

بقلم: حضرت مولانا حافظ ابرار الحق صاحب حقی تصحیح: مولانا محمد اسعد اللہ رامپوری قدس سرہما

O فرمایا معاملات سے میری اس قدر یکسوئی پر بھی لوگوں کو شبہ ہے کہ میں در پردہ تجارت کرتا ہوں، چنانچہ اسی خیال پر کتابوں کی فرمائش بھی میرے نام آجاتی ہیں، میں لکھ دیتا ہوں کہ میں تجارت نہیں کرتا ہوں، خیر یہ لوگ تو بیچارے اجنبی اور دور کے رہنے والے ہیں جن کو میرے معمولات اور حالات کا پورا پورا علم نہیں، تعجب تو اس سے ہے کہ ایک خان صاحب جو مدرسہ امدادالعلوم تھانہ بھون کی ایک دوکان میں کرایہ پر بیٹھتے تھے ہر وقت آمد و رفت رہتی تھی مدرسہ ہی کی مسجد میں پنجوقتہ نماز بھی پڑھتے تھے مجھ سے اچھے خاصے تعلقات تھے محبت کرتے تھے جو چیز موسم کے مناسب تجارت کے لیے تیار کرتے تھے مجھے ہدیہ دیتے تھے، بہر حال ان کو میرے حالات کا کافی علم ہونا چاہیے تھا خصوصاً ان حالات کا جو بالکل ظاہر اور کھلے ہوئے ہیں لیکن وہ ایک روز آئے اور کہنے لگے کہ ایک شخص تم پر اعتراض کر رہا تھا کہ فتوحات بھی بہت ہیں، مطبع کی آمدن بھی ہے، کتابوں کی تجارت سے بھی کافی آمدنی ہے، ہدیئے اور تحفے بھی آتے رہتے ہیں، میں نے اس شخص کو یہ جواب دیا کہ تم نے آمدنی ذرائع تو دیکھے لیکن خرچ کو بھی دیکھا کہ وہ کتنا ہے، یہ گفتگو سن کر میں نے کہا کہ خان صاحب کیا آپ کا بھی یہی خیال ہے کہ مطبع وغیرہ میرا ہے؟ وہ بہت تعجب سے بولے اچھا کیا یہ آپ کا نہیں ہے، اب دیکھئے جب پاس رہنے والے متعلقین کا یہ حال ہے تو دور کے رہنے والوں کی کیا شکایت، اسی سلسلہ میں فرمایا اگر میں تجارت کرتا ہوتا تو چھپانے کی کیا ضرورت تھی، نہ اس میں شرعاً کوئی گناہ ہے نہ عرفاً کوئی ذلت ہے، باقی میں جو میں تجارت وغیرہ کا انکار کر دیتا ہوں اس سے میرا مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو صحیح حال معلوم ہو جائے، دھوکہ میں مبتلا نہ ہوں بلکہ اگر تجارت عرفاً ذلت بھی ہوتی اور میں کرتا ہوتا تو تب بھی ضرور ظاہر کر دیتا کیونکہ اس میں شرعاً کچھ حرج نہیں۔

O فرمایا ہدیہ میں جو چیزیں آتی ہیں اگر وہ میری ضرورت سے زائد ہوتی ہیں تو یا تو کسی رشتہ دار اور دوست کو بلا قیمت دے دیتا ہوں اور اگر بلا قیمت دینے کی ہمت نہیں ہوتی تو فروخت کر دیا کرتا ہوں گو بظاہر اس میں سبکی ہے عرف کے خلاف ہے، مگر اس کے سوا کیا کر سکتا ہوں، رکھنا فضول اور تقسیم کے لائق نہیں یا تقسیم کی ہمت نہیں تو اب بجز بیع کے اس سے انتفاع کی کیا صورت ہے؟ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے پاس جب ہدایا ضرورت سے زائد جمع ہو جاتے تھے تو سہارنپور اپنے مجاز حافظ قمر الدین صاحب کے پاس فروخت کرنے کے لیے بھیج دیا کرتے تھے، لوگوں کے اعتراض کی بالکل پروانہیں فرماتے تھے، ہدایا کے فروخت کرنے میں ہم نے نہ تو کسی پر ظلم کیا نہ کسی سے بھیک مانگی، جو مصلحت سمجھی اس کے موافق کیا اب اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو اس کی حماقت ہے، ہاں دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کچھ شریعت کے خلاف تو نہیں کیا، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ چونکہ میں شریعت کے مطابق دونوں گھروں میں عدل کرنا چاہتا ہوں اس لیے جو ہدیہ تقسیم و تجزی کے قابل ہوتا ہے اس کو برابر تقسیم کر دیتا ہوں اگر دونوں حصوں میں کچھ تفاوت نہ ہو تو تقسیم میں کچھ تکلف ہی نہیں اور اگر کوئی عارضی تفاوت ہوا تو بلحاظ قیمت کے اور دوسری صورت میں اگر بعد تقسیم کوئی ایک ہی حصہ دونوں گھروں میں پسند ہوا تو قرعہ سے تعیین کر دیتا ہوں، یا کسی ایک گھر میں پسند نہیں ہوتا ہے تو میں دوسرے گھر میں اس کو بقیمت فروخت کر دیتا ہوں، گو یہ عرف کے خلاف ہے لیکن اگر مفت دیا جائے تو عدل شرعی کے خلاف ہے، ہاں جو چیزیں تجزیہ قبول کرتی ہیں ان کو دو مساوی حصوں میں منقسم کر کے دونوں گھروں میں بھیج دیتا ہوں، محض عرف کے پیچھے پڑ جانا دانشمندی سے بعید ہے، پہلے دیکھنا چاہئے کہ شرع کے تو خلاف نہیں پھر اس کے بعد راحت و آرام کا خیال ہونا چاہئے خواہ عرف کے مخالف ہو یا موافق، اسی سلسلہ میں فرمایا کہ اگر کسی شخص کا اعتقاد ان جائز اور راحت رساں امور کو دیکھ کر جاتا رہے تو سمجھنا چاہئے کہ وہ پہلے ہی سے معتقد نہ تھا کیونکہ اس کا حاصل تو یہ ہوا کہ شریعت مقدسہ پر عمل کرنے کی وجہ سے اعتقاد رخصت ہو گیا، لعنت ہے ایسے اعتقاد پر، دوسری بات یہ ہے کہ اگر کوئی معتقد نہیں رہا تو ہمارا کیا ضرر ہمیں کیا فکر بحمد اللہ تعالیٰ نہ اس کی طلب نہ حاجت۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

مسئلہ فسق یزید اور اکابر علماء امت (آخری قسط)

بندیالوی صاحب کا امام احمد رحمہ اللہ پر الزام

بندیالوی صاحب کا یہ لکھنا کہ ''امام احمد نے کتاب الزہد میں امیر یزید کا تذکرہ زمرہ تابعین میں سب سے پہلے کیا ہے'' (ص ۲۱) بالکل غلط ہے یہ امیر یزید اموی نہیں بلکہ اس نام کے دوسرے بزرگ یزید بن معاویہ نخعی کوفی ہیں جو مشہور زاہد و عابد گزرے ہیں ان کا تذکرہ ''تہذیب التہذیب'' وغیرہ کتب رجال میں مذکور ہے۔

''میزان الاعتدال'' میں یزید کے بارہ میں امام احمد بن حنبل کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

''لا ینبغی ان یروی عنہ'' اس سے روایت نہیں کرنی چاہیے۔

اور حافظ ابن حجر نے ''تعجیل المنفعۃ'' میں فرمایا ہے:

''ولم یقع لہ فی المسند روایۃ وانما لہ مجرد ذکر'' مسند میں اس کی کوئی روایت مذکور نہیں صرف اس کا ذکر آیا ہے۔

اور ''تہذیب التہذیب'' میں بھی تصریح کردی ہے: ''ولیست لہ روایۃ تعتمد'' اس کی کوئی روایت ایسی نہیں جو قابل اعتماد ہو۔

''لسان المیزان'' میں ہے: ''مقدوح فی عدالتہ ولیس باھل ان یروی عنہ وقال احمد لا ینبغی ان یروی عنہ، انتہیٰ۔ وقد وجدت لہ روایۃ فی مراسیل ابی داود ونبہت علیہا فی النکت علی الاطراف'' اس کی روایت مجروح ہے اور یہ اس کا اہل نہیں ہے کہ اس کی کوئی روایت لی جائے، امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ اس سے روایت نہ کرنی چاہیے (یہاں میزان الاعتدال کی عبارت تمام ہوئی) مجھے اس کی ایک روایت مراسیل ابی داود میں ملی ہے جس پر میں نے ''النکت علی الاطراف'' میں تنبیہ کردی ہے۔ (لسان المیزان ج ۶ ترجمۃ یزید بن معاویۃ)

یزید کے متعلق ائمہ اربعہ کا مسلک

بندیالوی نے لکھا ہے: "اہل سنت کے چار مشہور ومعروف ائمہ میں سے کسی ایک امام نے یزید کے کفر کا فتویٰ دیا؟ یا اسے فاسق وفاجر کہا؟ یا اس پر لعنت کے جواز کا قائل ہوا" (ص ۲۱) انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سب باتیں ہوئیں مگر انصاف وفہم درکار ہے۔

علامہ دمیری "حیٰوۃ الحیوان" میں لکھتے ہیں اس سے یزید کے بارہ میں ائمہ اربعہ کا مسلک واضح ہوتا ہے۔

سئل الكياالهرسي الفقيه الشافعي عن يزيدبن معاويةهومن الصحابةام لا؟وهل يجوزلعن ام لافاجاب انه لم يكن من الصحابة لانه ولدفي ايام عثمان رضي الله تعالىٰ عنه واماقول السلف ففيه لكل واحدمن ابي حنيفةومالك واحمدقولا ن تصريح وتلويح ولناقول واحد التصريح دون التلويح وكيف لايكون كذلك وهوالمتصيد بالفهد واللاعب بالنرد ومدمن الخمر (ج۲ص۱۹۵)

کیاالہراسی جو کہ شافعی فقیہ ہے سے یہ پوچھا گیا کہ یزید بن معاویہ صحابی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس کو لعن طعن کرنا درست ہے یا نہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ صحابی نہیں ہے، کیونکہ وہ دور عثمان میں پیدا ہوا اور سلف میں سے ابوحنیفہ احمد اور مالک کے اس بارہ میں دو قول ہیں۔ ایک میں تصریح ہے اور ایک میں تلویح ہے اور ہمارے لیے تو تصریح کا ہی ایک قول ہے۔ اور کیوں نہ ہو جبکہ وہ شیر کا شکار کرنے والا اور نرد کھیلنے والا اور دائمی شرابی تھا۔

ایک پرانا اعتراض

بندیالوی صاحب نے لکھا ہے کہ:

"آخری دو حوالوں کو ایک بار پھر پڑھیے ملا علی قاری اور سید سلیمان ندوی نے اسلام کے خلفاء شمار کیے تھے تو چھٹے نمبر پر یزید کو شمار کیا......" (ص ۲۴)

یہ پرانا اعتراض شیعوں کا اہل سنت پر چلا آرہا ہے کہ یزید فاسق تھا پھر اس کو بارہ خلفاء

میں کیوں شمار کیا مگر اب حامیان یزید یہ کہنے لگے ہیں کہ یزید کو امیر المؤمنین بعض اکابر نے بھی کہا ہے بارہ خلفاء میں شمار کیا ہے اگر وہ فاسق ہوتا تو یہ حضرات اس کے لیے امیر المؤمنین کا لقب کیوں استعمال کرتے؟ اور اس کو بارہ خلفاء میں شمار کیوں کرتے؟ حالانکہ اس وقت سربراہ مملکت اسلامیہ کو خلیفہ یا امیر المؤمنین کے الفاظ سے ہی مخاطب کیا جاتا تھا خواہ صالح ہوتا یا فاسق وفاجر۔

علامہ ابن تیمیہ اس کے جواب میں لکھتے ہیں ''اگر یزید کی امامت کے اعتقاد سے ان کی یہ مراد ہے کہ وہ خلفاء راشدین اور ائمہ مجتہدین میں سے ہے مثل ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے تو یہ علماء مسلمین میں سے کسی کا بھی عقیدہ نہیں ہے ...... بلکہ اہل سنت کی کتب سنن کی حدیث کے تحت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت تیس سال ہوگی پھر بادشاہت ہو جائے گی اور یزید کی امامت سے مراد یہ اعتقاد ہے کہ وہ جمہور مسلمین کا ان کے زمانہ میں بادشاہ اور خلیفہ اور صاحب سیف تھا جیسا کہ اس جیسے دوسرے خلفاء ہوئے ہیں بنو امیہ اور بنو عباس میں سے'' (منہاج السنۃ ج۲ ص۲۴۰)

یزید کو امیر المؤمنین کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ صالح اور عادل تھا چنانچہ ''شرح فقہ اکبر'' میں علامہ علی قاری نے بارہ خلفاء کی پیشنگوئی کے تحت یزید کا نام بھی پیش کیا ہے حالانکہ ان کے نزدیک یزید ظالم و فاسق تھا جیسا کہ ''مرقاۃ شرح مشکوۃ'' کے اوپر کے حوالہ سے ثابت ہوتا ہے، اس کے ساتھ ہی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

''یزید بن معاویہ خود ازیں میاں ساقط است عدم استقرار مدت معتد بہا وسوء سیرت او'' (قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ص۲۴۱)

اور یزید بن معاویہ ان بارہ خلفاء کے درمیان سے ساقط ہے بوجہ اس کے کہ معتد بہ مدت اس کی سلطنت مضبوط نہیں ہوئی اور اس وجہ سے بھی کہ وہ بری سیرت رکھتا تھا۔

حافظ ابن تیمیہ کا فتویٰ

ایک دو حوالے غور سے پڑھ لیے جائیں تو یزید کے بارہ میں فیصلہ آسان ہو جائے گا۔

ومن امن باللہ والیوم الآخر لا یختار ان یکون مع یزید ولا مع امثالہ

من الملوك الذين ليسوا بعادلين (فتاویٰ ج ۴ ص ۴۸۴)

اور جو شخص بھی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ اس بات کو پسند نہیں کرے گا کہ اس کا حشر یزید یا اس جیسے بادشاہوں کے ساتھ ہو جو عادل نہیں تھے۔

یزید کا عقیدہ اور عمل دونوں خراب تھے

مؤرخ اسلام حافظ شمس الدین الذھبی ''سیر اعلام النبلاء'' میں فرماتے ہیں:

''يزيد بن معاوية كان ناصبياً، فظاً غليظاً، جلفاً يتناول المسكر يفعل المنكر افتتح دولته بقتل الشهيد الحسين رضي الله عنه واختتمها بوقعة الحرة فمقته الناس ولم يبارك في عمره وخرج عليه غيرواحد بعد الحسين كاهل المدينة لله''(الروض الباسم ج ۲ ص ۳۶)

یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ ناصبی تھا، سنگدل بدزبان غلیظ جفا کار مے نوش، بدکار اس نے اپنی حکومت کا افتتاح حسین شہید کے قتل سے کیا اور اختتام واقعہ حرہ کے قتل عام پر اس لیے لوگوں نے اس پر پھٹکار بھیجی اور اس کی عمر میں برکت نہ ہوسکی۔ حضرت حسین کے بعد بہت سے حضرات نے اس کے خلاف لبغض للہ فی اللہ خروج کیا۔

جیسا کہ حضرت علامہ ذہبی تو یزید کے خلاف مقابلہ کرنے والے اہل مدینہ کو للہ خروج کرنے والے لکھتے ہیں اور اس کی مثال میں اہل مدینہ کے مقابلہ کو پیش کررہے ہیں، مگر بندیالوی ان کے خروج کو بغاوت، مستوجب تعزیر بغاوت لکھتے ہیں۔

یزید جس کے عقائد اور دونوں خراب تھے ایسے شخص کی محبت کا دم بھرنا اور اس کے گن گانا کیا کسی مسلمان کو زیب دیتا ہے؟ حضرت ابن تیمیہ کا فتویٰ اوپر گزرا کہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا شخص یزید کے ساتھ اپنا حشر پسند نہیں کرے گا۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے حوالۂ ذیل کو ایک بار غور سے پڑھیے وہ اول تو لکھتے ہیں:

''یزید کی تخت نشینی کی بلاء اسلام پر'' پھر اس کے تحت لکھتے ہیں ''امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

نے ۶۰ ھ میں وفات پائی اور ان کے بجائے یزید تخت نشین ہوا اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اولین شب ہے" الخ (سیرت النبی ج ۳ ص ۷۰۹)

مؤرخ اسلام علامہ سید سلیمان ندوی کی تحقیق یزید کے بارہ میں آپ نے سن لی اور خلفاء میں نام لکھنے کی وجہ اوپر معلوم ہو چکی۔

بندیالوی کا یزید کی منقبت کرنا

بندیالوی صاحب کی کتاب میں مستقل عنوان "کیا یزید واقعی فاسق و فاجر تھا" بڑی مرکزیت کا حامل ہے اور اس کے تحت بندیالوی نے یزید کی صفائی اور تعریف و توصیف میں بڑا زور لگایا ہے اور ان کو ایسا ہی کرنا چاہیے تھا اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ان کے خیال میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے دفاع نہیں ہو سکتا تھا اور ایک فاسق و فاجر کو ولی عہد بنانے کے الزام سے وہ بری نہیں قرار دیے جا سکتے تھے، پھر نہ معلوم بندیالوی کو کس چیز نے مرعوب کیا ہوا ہے جو کھل کر یزید کی صفائی پیش کرنے اور اس کو اپنی تصنیف کا مرکزی عنوان بنانے سے گریز کر رہے ہیں اور لکھتے ہیں کہ "میری تصنیف کا مرکزی عنوان یزید کی صفائی پیش کرنا یا تعریف و توصیف کرنا نہیں تھا"۔

کیوں نہیں؟ کیا آپ کا مرکزی عنوان دفاع صحابہ نہیں ہے؟ اور یزید کی صفائی اور تعریف و توصیف کے بغیر یہ عنوان نامکمل رہتا ہے تو پھر آپ اس کو مرکزی عنوان بنانے سے کیوں کتراتے اور گریز کر رہے ہیں، کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کے نزدیک صحابی نہیں ہیں؟ یا ان کا دفاع ضروری نہیں ہے؟ یا آپ بھی "شیعہ پروپیگنڈے" سے متاثر اور عوامی دباؤ سے خوف زدہ ہیں، اس لیے یزید کی صفائی اور تعریف و توصیف کا حوالہ مرکزی عنوان بنا کر نہیں ہو رہا اور اس کہنے پر مجبور ہیں کہ یہ تذکرہ تو ضمناً آ گیا اور مخالفین نے آسمان سر پر اٹھا لیا (ص ۱۸)

اب ناظرین اس ضمناً تذکرہ کی حقیقت معلوم کریں اول تو ساری کتاب ہی یزید کے مناقب و فضائل اور تعریف و توصیف میں بھری پڑی ہے کہ اس کے صاحب مناقب و فضائل ثابت کیے بغیر اور اس کی تعریف و توصیف کے بغیر ان کے نزدیک ان کا بنیادی مقصد دفاع

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ حاصل نہیں ہوسکتا، دوسرے کیا یزید واقعی فاسق و فاجر تھا کے تحت ۹ صفحات یزید کی صفائی اور تعریف وتوصیف اور اس کے دفاع میں بھر دیے کیا اس کو ''ضمناً تذکرہ آ گیا تھا'' کا نام دیا جا سکتا ہے؟۔

ہماری گذشتہ تحریر سے واضح ہوگیا کہ ابن خلدون وغیرہ محققین کی تحقیق کے مطابق جب یزید کا فسق ظاہر ہوا تو اس کا مقابلہ کیا گیا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے مقابلہ کی وجہ بھی یزید کا فسق ہی تھا۔

بندیالوی صاحب کی دروغ بیانی

اب رہا بندیالوی صاحب کا یہ دعویٰ کہ ''حضرت حسین رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کا ایک ارشاد بھی ایسا نہیں ہے جس میں یزید کو فاسق و فاجر کہا گیا ہو'' (ص ۸۹)

اس کے بارہ میں گذارش ہے کہ ابن خلدون حصہ دوم ص ۱۳۶ میں ہے ''۶۳ھ میں اہل مدینہ کا ایک وفد جس میں عبداللہ بن حنظلہ، وعبداللہ بن ابی عمرو بن حفص بن مغیرہ مخزومی و منذر بن زبیر وغیرہ شرکاء مدینہ تھے شام کو روانہ کیا، جب عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ واپس آئے تو اہل مدینہ ملنے کو حاضر ہوئے اور حال دریافت کیا، عبداللہ نے جواب دیا کہ ہم ایسے نااہل کی طرف سے آئے ہیں جس کا نہ کوئی دین ہے اور نہ کوئی مذہب، شراب پیتا ہے، راگ سنتا ہے، واللہ اگر کوئی مہدی من اللہ ہوتا تو اس پر جہاد کرتا...... اہل مدینہ یہ سن کر یزید سے اور متنفر ہو گئے، عبداللہ بن حنظلہ نے یزید کی معزولی کی درخواست پیش کی، لوگوں نے بہ کمال خوشی ورغبت منظور کیا۔ (خارجی فتنہ حصہ دوم ص ۵۴۷)

اور طبقات ابن سعد حصہ دوم ص ۸۴ پر بھی شراب پینے کا تذکرہ عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ نے کیا ہے حتیٰ کہ عبداللہ بن زبیر نے بھی یزید کے شراب پینے کا الزام لگایا ہے (انساب الاشراف ج ۴ ص ۲۴)

عبداللہ بن زبیر اور اہل مدینہ کے وفد جس کے قائد عبداللہ بن حنظلہ جیسے زاہد اور متقی صحابی تھے علی الاعلان یزید کو شراب پینے والا کہہ رہے ہیں، اور اہل مدینہ کھلم کھلا یزید کو شرابی قرار

دے کر اس کی بیعت توڑنے کا منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اعلان کر رہے ہیں (البدایہ والنہایہ ص ۲۱۸) پھر نہ معلوم بندیالوی نے یزید کے فاسق و فاجر ہونے کے بارہ میں کسی صحابی کے ایک ارشاد کا ہی کیوں انکار کر رہے ہیں اور یزید کی صفائی دے رہے ہیں، کیا ان کے نزدیک عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن حنظلہ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم صحابی نہیں ہیں؟۔

بندیالوی صاحب کی حمایت یزید اور اصول کی نظر اندازی

باقی رہا محمد بن علی (حنفیہ) کی صفائی کا قول نقل کرنے کے بعد بندیالوی صاحب کا یہ لکھنا کہ محمد بن علی کے بیان کے سامنے بعد میں آنے والوں کی سنی سنائی اور بنی بنائی جھوٹی باتیں قطعاً قابل قبول نہیں ہوسکتیں (ص ۹۴) اس پر ناظرین غور کریں کہ یزید کی حمایت میں بندیالوی صحیح اصولوں کو کس طرح پامال کر رہے ہیں۔

(الف) عبداللہ بن زبیر و عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہم وغیرہ صحابی ہیں اور محمد بن علی صحابی نہیں صرف تابعی ہیں اور "الصحابة كلهم عدول" کے مسلمہ اصول کو چھوڑ کر بندیالوی ان صحابہ کو مجروح اور نا قابل قبول قرار دے رہا ہے، کیا دفاع صحابہ اسی کا نام ہے؟۔

(ب) دوسرے عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ کے وفد کی یزید کے بارہ میں باتیں سنی سنائی نہیں وہ خود یزید کے پاس رہے تھے اور اس کے حال کی تفتیش کے لیے ہی گئے تھے اور اصول حدیث کا مسلمہ اصول ہے "الجرح مقدم على التعديل" مگر بندیالوی اس اصول کے صراحۃً خلاف کر رہا ہے۔

(ج) تیسرے یہ کہ اگر محمد بن علی اور ان اصحاب کرام کے اقوال میں تعارض ہو تو ترجیح کے لیے ان قواعد کی ضرورت ہے اور ان پر عمل کرتے ہوئے یزید کو مجروح قرار دیا جائے گا، وگرنہ ایک صورت تطبیق کی بھی ہے کہ دونوں اپنے اپنے علم کے مطابق بیان کر رہے ہیں ممکن ہے کہ پہلے یزید کا حال کچھ اور تھا اور پھر کچھ اور ہو گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے گرامی!

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول "بے شک حضرت معاویہ کے بیٹے یزید

اپنے خاندان کے نیکوکاروں میں سے ہیں'' کا جواب بھی اگر یہ صحیح سند سے ثابت ہو اس سے ہوگیا کہ یہ پہلے کی رائے ہے آخری رائے ان کی اس خط سے معلوم ہوتی ہے جو انہوں نے واقعہ حرہ کے بعد یزید کو لکھا ہے کہ ''یہ سب کچھ تو نے خدا رسول اور ان اہل بیت کی عداوت میں کیا کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے نجاست دور کر کے ان کو خوب پاک صاف کر دیا تھا، تو میرے دادا کے خاندان کو قتل کر چکا ہے اور تیری تلوار سے میرا خون ٹپک رہا ہے، اب تو تو میرے انتقام کا ہدف ہے'' (الکامل ص ۴۹)

امارت حج و جہاد اور امامت سے یزید کی عدالت ثابت کرنا

اب رہا معاملہ یزید کی امارت میں حج اور جہاد کا ادا کرنا اور اس کا جنازہ پڑھانا (ص ۹۴) جس کو یزید کی عدالت ثابت کرنے کے لیے بندیالوی نے بڑے زور شور سے پیش کیا ہے، لکھا ہے:

''یزید اگر فاسق و فاجر ہوتا تو ۵۱، ۵۲، ۵۳ ھ میں مسلسل تین سال سینکڑوں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہزاروں تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور خاص کر کے حضرت سیدنا......رضی اللہ عنہ اس کی امارت میں فریضہ حج ادا نہ کرتے''۔

''یزید اگر فاسق و فاجر ہوتا تو جہاد قسطنطنیہ میں سینکڑوں اصحاب پیغمبر اور ہزاروں تابعین اس کی قیادت و امارت اور سپہ سالاری میں جہاد کے لیے نہ جاتے اور اس کی امامت میں نمازیں ادا نہ کرتے''۔

''یزید اگر فاسق و فاجر ہوتا تو میزبان رسول حضرت ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ کے لیے جید صحابہ کرام اسے اپنا امام نہ بناتے''۔

ناظرین! آپ دیکھ رہے ہیں یہ ہیں وہ بندیالوی صاحب جنہوں نے لکھا تھا کہ ''میری تصنیف کا مرکزی عنوان یزید کی صفائی پیش کرنا یا تعریف و توصیف کرنا نہیں تھا'' اگر مرکزی عنوان یزید کی صفائی پیش کرنا ہوتا تو نہ معلوم پھر اس سے زائد وہ کون سے دلائل صفائی میں پیش کیے جاتے جن کے پیش کرنے کی حسرت بندیالوی کے دل میں رہ گئی۔

بندیالوی صاحب کا مذہب اہل سنت والجماعت کو چھوڑنا

نماز کی امامت کے لیے اگر چہ امام کا صالح اور نیک ہونا بہتر ہے لیکن فاسق کے پیچھے بھی نماز ہو جاتی ہے اور اس کو مذہب اہل سنت والجماعت کے عقائد میں شمار کیا گیا ہے، ''شرح فقہ اکبر'' میں ہے:

''ونصلي خلف كل بر وفاجر'' (ص ۹۲) اور مذہب اہل سنت والجماعت میں یہ بھی ہے کہ ہم ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لیں اور امام طحاوی متوفی ۳۲۱ھ عقائد اہل سنت والجماعت میں لکھتے ہیں:

''ونرى الصلوة خلف كل بر وفاجر من اهل القبلة وعلى من مات منهم'' نیک ہو یا بد ہم اہل قبلہ کے پیچھے نماز پڑھنے اور اس کا جنازہ پڑھنے کو جائز قرار دیتے ہیں (عقیدہ طحاویہ)

امام ابوبکر الجصاص الحنفی المتوفی ۳۱۰ھ فرماتے ہیں:

''فان قيل هل يجوز الجهاد مع الفساق؟ قيل له: ان كل احد من المجاهدين فانما يقوم بغرض نفسه فجائز له ان يجاهد الكفار وان كان امير الجيش وجنوده فساقا وقد كان اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم يغزون بعد الخلفاء الاربعة مع الامراء الفساق وغزا ابو ايوب الانصارى مع اليزيد اللعين'' (ج ۳ ص ۲۱۹)

اگر یہ کہا جائے کہ کیا فساق کے ساتھ ہو کر جہاد جائز ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ مجاہدین میں سے جو بھی اپنی طرف سے جہاد کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس کے ساتھ کفار سے جہاد کرنا جائز ہے اگر چہ امیر لشکر اور اہل لشکر فاسق ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب خلفائے اربعہ کے بعد فاسق امیروں کے ساتھ مل کر جہاد کرتے تھے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے یزید لعین کے ساتھ ہو کر جہاد کیا۔

یہ ہے احادیث کی روشنی میں اہل سنت والجماعت کا مسلک یعنی فاسق و فاجر امام وحاکم

کی بھی اقتدا جائز ہے اور اس کی قیادت میں کفار سے جہاد بھی جائز ہے۔ لہٰذا اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی اقتدا میں نمازیں پڑھی ہیں اور جہاد کیا ہے تو یہ اس امر کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ یزید صالح و عادل تھا، امام ابوبکر جصاص نے حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے یزید کے ساتھ جہاد کرنے کی نظیر و مثال کا ذکر کیا ہے کہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم امراء فساق کے ساتھ ہو کر جہاد کرتے تھے مگر اس سے ان کے فسق کی نفی نہیں ہوتی لیکن بندیالوی کو اس کی خبر نہیں ہے اور نہ ہی وہ اپنے استادوں سے پوچھتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی بیعت کی حقیقت

اسی طرح عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا یزید کی بیعت کرنا اور اپنے خاندان کے لوگوں کو اس کی بیعت کے توڑنے سے روکنا اس کے عادل ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ بندیالوی نے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا ''ہم نے بخوشی ورضا بیعت کر لی ہے، میرے خاندان میں سے جو یزید کی بیعت توڑے گا میرا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوگا'' (ص ۹۱) اور لکھا ہے ''یزید اگر فاسق و فاجر ہوتا تو سینکڑوں اصحاب رسول اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی بیعت کبھی نہ کرتے'' (ص ۹۳)

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وغیرہ جن صحابہ کرام نے یزید کی بیعت کر لی یا جن صحابہ نے مخالفت نہیں کی اور بے تعلق ہو کر گوشہ نشین ہو گئے تھے ان کے پیش نظر وہ احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھیں جن میں تصریح ہے کہ خواہ حبشی غلام گنجا بھی حکمران ہو جائے اور خواہ تم امیر میں برائی بھی دیکھو تو جب تک اس سے کفر بواح سرزد نہ ہو اس کی اطاعت کرتے رہو اور اس کی بیعت نہ توڑو امام اعظم اور امام احمد بن حنبل نے بھی ان احادیث سے مسلک عدم خروج ہی سمجھا ہے۔ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی یزید کی بیعت یا عدم خروج کا مسلک ان ہی احادیث کے تحت اختیار فرمایا ہے۔ اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیعت یا عدم مخالفت سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یزید ضرور صالح و عادل تھا بالکل غلط ہے کیونکہ یہ دور فتنہ کا تھا اور اس کے احکام جدا ہیں۔

علامہ ابن تیمیہ اس مسلک کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”کان المشهور من مذهب اهل السنة انهم لا يرون الخروج على الائمة وقتالهم بالسيف وان كان فيهم ظلم كما دلت الاحاديث الصحيحة المستفيضة عن النبي صلى الله عليه وسلم لان الفساد في القتال والفتنة اعظم من الفساد الحاصل بظلمهم دون القتال“ (منہاج السنۃ ص ۸۷)

اہل سنت کے مسلک میں یہ بات مشہور ہے کہ وہ حاکمان وقت کے خلاف خروج کرنے اور ان کے مقابلے میں تلوار اٹھانے کو جائز نہیں سمجھتے اگر چہ وہ ظلم کریں اور اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث مستفیضہ (مشہورہ) دلالت کرتی ہیں کیونکہ حاکمان وقت سے جنگ وجدال کرنے کا فساد اور فتنہ اس فساد سے کہیں بڑھ کر ہے جو بغیر قتال کے ان کے ظلم کی وجہ سے پیدا ہوا۔

دور فتنہ کے بارہ میں احادیث

”صحیح بخاری“ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاف حکم بسند صحیح موجود ہے:

”عن انس بن مالك قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اسمعوا واطيعوا وان استعمل عليكم عبد حبشي كان رأسه زبيبة“۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حکم مانو اور اطاعت کرو اگر چہ تم پر ایک حبشی غلام جس کا سر گنجا ہو حاکم مقرر ہو جائے۔ (کتاب الفتن باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ)

”صحیح مسلم“ میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے یہی ارشاد نبوی منقول ہے ”یعنی میرے خلیل نے مجھے وصیت فرمائی کہ حکم مانوں اور اطاعت کروں اگر وہ یعنی امیر حبشی غلام ہو جس کے سر پر بال نہ ہوں“ (ص ۳۱۴)

”دعانا النبي صلى الله عليه وسلم فبايعنا فقال فيما اخذ علينا ان بايعنا على السمع والطاعة في منشطنا ومكرهنا وعسرنا ويسرنا واثرة علينا وان لا ننازع الامر اهله الا ان تروا كفرا بواحا عندكم من الله فيه برهان“ (صحیح بخاری ج ۲ کتاب الفتن)

ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلب فرمایا اور ہم سے جن امور پر بیعت لی ان میں امیر کی بات سننا اور اس کی طاعت کرنا بھی تھا اگر چہ وہ ہمیں پسند ہو یا ناپسند اس پر عمل مشکل ہو یا سہل اور اس کے لیے ہمیں کچھ قربانی ہی کیوں نہ کرنی پڑے اور یہ کہ حکومت کے بارہ میں ہم برسر اقتدار شخص سے جھگڑا نہ کریں جب تک کہ اس سے کھلم کھلا کفر ظاہر نہ ہو جو اس کے خلاف خروج کو جائز کردے، اور اللہ کی طرف سے اس بارہ میں کوئی قطعی دلیل موجود ہو۔

دور یزید میں صحابہ رضی اللہ عنہم کی اکثریت کا بے تعلق رہنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر مبنی تھا، اور جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت کی ہے ان کے سامنے وہی احادیث تھیں جن میں ظالم وجابر امیر کی بھی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے یزید کی بیعت واطاعت کی اور طاقت سے اس کی مخالفت نہیں کی تو اس کی یہ وجہ نہیں تھی کہ وہ ظالم جابر نہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ظالم حکمرانوں کی بھی اطاعت اور صبر کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے اس سے یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط ہے کہ یزید عادل تھا فاسق نہیں تھا، اور بندیالوی کا یہ لکھنا بھی لغو ہے کہ یزید اگر فاسق ہوتا تو سینکڑوں اصحاب رسول اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی بیعت کبھی نہ کرتے۔

دراصل بندیالوی احادیث صحیحہ کے مطالب اور اصول اہل سنت سے ناواقف ہے اس لیے وہ اپنی تحریر میں اکثر اہل سنت کے مسلک سے خروج کر جاتا ہے اور ایسی باتیں لکھ دیتا ہے جو اہل سنت کے مسلک کے خلاف ہوتی ہیں جس کی ایک مثال یہ بھی ہے اور پہلے بھی اس کی مثال گزری ہے۔

مولانا محمد حسین نیلوی صاحب

تعجب بالائے تعجب مولانا محمد حسین نیلوی پر ہے کہ وہ مدرس ہونے کے باوجود ایسی اصولی غلطیوں کی اصلاح نہیں کرتے اور نادانستہ اور غیر شعوری طور پر شیعیت کی تصدیق کر جاتے ہیں، انہوں نے کم از کم شرح عقائد اور اس کی شرح میں تو پڑھا ہوگا:

"ولا یشترط فی الامام ان یکون معصوماًای معصوماًعن الذنوب خلافاللشیعة "یہ تو شیعہ عقائد میں سے ہے کہ فاسق کی امامت صحیح نہیں ہے،اہل سنت کے یہاں یہ شرط نہیں کہ امام فاسق نہ ہو۔

وعند الحنفیة لیست العدالة شرطاًللصحة فیصح تقلید الفاسق الامام مع الکراھة۔ (نبراس ص ۳۱۸)

مولانا نیلوی کو تو اہل سنت واہل تشیع کے مذہب میں امتیاز کرنا ضروری تھا ان کو تو یہ زیبا نہیں کہ وہ تشیع کے اصول کی تصدیق کرتے چلے جائیں ،کتابیں پڑھنے پڑھانے والوں کو تو اس قدر غفلت اپنے مذہب اہل سنت سے نہیں ہونی چاہیے ،مگر مولانا بغیر غور کیے ایسی ہی عامیانہ باتیں لکھ دیتے ہیں ،مثلاً اپنی تقریظ میں لکھا ہے"احادیث میں صحابہ کرام کی اولاد کو جنتی کہا گیا ہے"حوالہ نہیں دیا گیا یہ تو شیعوں کا عقیدہ ہے کہ اہل بیت کی اولاد سب جنتی ہے چاہے اعمال،عقائد کتنے ہی خراب ہوں،کیا یہ عقیدہ اہل تشیع کے عقیدہ کے موافق نہیں ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اولاد جنتی ہے عقائد و اعمال کچھ بھی ہوں؟اور لکھا ہے "صحابہ کرام میں سے سوائے حضرت سیدنا حضرت حسین کے کسی نے اس کے خلاف تحریک نہ چلائی" نہ معلوم کیا وجہ ہے کہ ان کو عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کی یزید کی خلاف تحریک کیوں نظر نہیں آئی ؟ نیز عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی اور ان کے ہمراہ خلع بیعت کرنے والے کیوں نظر نہیں آ رہے؟۔

ان سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ان کے ساتھیوں کو نظر انداز کر کے ہی تو آپ لوگ خود ہی شیعوں کو یہ کہنے کا موقع پیدا کر رہے ہیں کہ بڑے بڑے صحابہ ایسے وقت میں چپ بیٹھے رہے وغیرہ وغیرہ ۔یہ شیعہ کی ہمنوائی کون کر رہا ہے؟اور شیعہ کی زبان کس کے منہ میں بول رہی ہے اور شیعہ کی ترجمانی کر رہی ہے؟

آپ لکھتے ہیں کہ"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو دیکھا ان پر جہنم حرام ہے"سنا ہے کہ آپ حدیث بھی پڑھاتے ہیں بلکہ"شیخ الحدیث" کہلاتے ہیں کیا اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ صحابی کا دیکھنے والا خواہ کچھ بھی کرے اس پر جہنم

حرام ہے؟ ماشاءاللہ چشم بددور، پھر تو جس نے کسی صحابی کو دیکھا ہو اس کے بارہ میں یہ بات آپ کو تسلیم کر لینی چاہیے کہ جہنم اس پر حرام ہے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قتل اور بلوائیوں کا سرغنہ اور حضرت علی المرتضی کا قاتل ابن ملجم خارجی بھی اس حدیث کا مصداق ہوگا کیونکہ ان سب نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارتیں کی ہیں۔

مولانا کی عادت معلوم ہوتی ہے کہ غیر تحقیقی بلکہ غیر متعلق امور کا ذکر حدیثوں کے تحت کر دیتے ہیں، آپ کی استدلالی حالت ''تعلیم القرآن'' میں بھی بہت ہی کمزور اور غیر متعلق ہوتی ہے، ان کی کتاب ''شفاء الصدور'' پر مولانا احمد حسین سجاد بخاری مرحوم نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مولانا نیلوی کے بعض استدلالات کا حال اس مثل کا مصداق ہے ''ماروں گھٹنہ پھوٹے آنکھ'' مطلب یہ ہے کہ بعض استدلال بے جوڑ ہوتے ہیں جیسے گھٹنے پر مارنے سے آنکھ کیسے پھوٹ گئی؟

البتہ ایک حکایت مشہور ہے کہ ایک امیر کبیر کے دربار میں ایک شخص رکھا ہوا تھا وہ امیر صاحب کے ایسے ہی بے جوڑ کلام کو جوڑنے کی کوشش کرنے پر مأمور تھا اس کو اسی بات کی تنخواہ ملتی تھی ایک دن امیر صاحب نے اپنی ترنگ میں آکر مجلس میں اپنا کارنامہ بیان کیا کہ ہم نے ہرن کے گولی ماری تو سم توڑ ماتھا پھوڑ کر نکل گئی۔ سب درباری حیران ششدر تھے اس کلام خسروانہ کا نہ معلوم کیا مطلب ہے؟ سم اور ماتھے میں کیا جوڑ ہے سم پیروں میں ہوتا ہے ماتھا سر میں ہے پیر و سر میں کیا جوڑ ہے اور وہ گولی کیسی کلب معلم (سیکھے ہوئے کتے کی طرح) تھی کہ پیر پر لگ کر ماتھے پر بھی آ لگی۔

اتنے میں وہ مأمور شخص بولا کہ جناب نے صحیح فرمایا، اس وقت وہ ہرن اپنے سم سے ماتھے کو کھجلا رہا تھا وہ گولی بیک وقت دونوں کو لگ گئی، اب ایسا ہی کوئی ذہین شخص مولانا نیلوی کی باتوں کی تصحیح پر مأمور ہو تو وہ شاید ان کی تصحیح کرتا رہے اور اتفاقیات سے کلیات بناتا رہے۔ ہم تو سمجھتے تھے مولانا اب تجربہ کار اور پختہ کار ہو گئے ہیں اب وہ ایسی کچی باتیں نہیں کرتے ہوں گے مگر ان کی تو ''وہ چال بے ڈھنگی جو پہلے تھی اب بھی ہے''۔

''شفاء الصدور'' کے سلسلہ میں مولانا محمد اسمٰعیل مرحوم سے تحریری گفتگو ہوئی تھی مولانا مرحوم نے علمی استدلالی غلطیوں کے علاوہ عربی کی نحوی غلطیوں کی بھی نشاندہی کرتے ہوئے بتلایا تھا کہ مولانا کی عربیت بہت خام ہے وہ تحریریں محفوظ ہیں اور اہل علم کے دیکھنے کی چیز ہے۔

مولانا کے استدلال کی خامی دیکھیے ،اس حدیث سے وہ شخص جس نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہو بغیر روک ٹوک کے جنتی بنادیا، اور یہ تأثر بھی دیا کہ گویا (شرح فقہ اکبر میں ص ۸۸) اس حدیث کی بناء پر ہی یزید کے ایمان کو ثابت کیا گیا ہے، حالانکہ ایمان یزید پر کسی نے بھی اس حدیث سے استدلال نہیں کیا، مگر مولانا لکھتے ہیں:

''اسی لیے علماء تحقیق تحریر کرتے ہیں ''و لا یخفیٰ ان ایمان یزید محقق'' (شرح فقہ اکبر ص ۸۸)''و نسبة الکفر الیٰ یزید بن معاویة حرام'' (نزہۃ الخواطر ص ۵۱۴) اور ارشاد نبوی سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کا بیٹا مؤمن ہی ہے'' (ص ۳)

اس استدلال میں غور کیا جائے کیا الصحابة کلهم عدول کی طرح کوئی کلیہ التابعی کلهم عدول کا بھی اصحاب اصول سے ثابت کیا جاسکتا ہے کہ جس طرح ہر صحابی عادل ہے اسی طرح ہر تابعی بھی عادل ہے۔

بات فسق یزید کی چل رہی ہے اور بیچ میں مسئلہ لے آئے ایمان یزید کا کیا ایمان کے ساتھ فسق جمع نہیں ہوسکتا؟ کہیں خوارج کا مذہب تو اختیار نہیں کرلیا؟ کہ فسق کے ساتھ ایمان جمع نہیں ہوسکتا۔

اصل میں ضرورت ہے کسی ''پختہ کار'' کے غلام بننے کی اور اس کی خدمت میں رہنے کی اور ''تو غلامے پختہ کارے شو'' پر عمل کرنے کی مگر مولانا کی حالت تو ایسی ہی معلوم ہوتی ہے کہ جیسے ''مزاج تو از حال طفلی نہ گشت'' کے مصداق ہوں، انہوں نے ایسی ہی طفلانہ اور خام باتیں اپنی تقریظ میں لکھ دی ہیں مثلاً لکھا ہے کہ ''بلکہ شیر خوار بچوں اور عورتوں کو لے کر جارہے ہیں کہاں؟ کوفہ میں کیوں حکومت وقت سے ٹکر لیتے ہو......بھلا شیر خوار بچے اور عورتیں کیا جہاد کریں گی الخ۔ (ص ۵)

ناظرین غور کریں کیا یہ طفلانہ باتیں نہیں ہیں؟ کوفہ میں جانا وہاں کے لوگوں کی دعوت پر تھا اور حکومت وقت سے ٹکر لینے کے لیے مقام اور قلعہ بنانے کی غرض سے تھا نہ کہ شیر خوار بچوں اور عورتوں کو جہاد میں شرکت کے لیے لے جا رہے تھے ایسی بات کوئی شیر خوار بچہ ہی سوچ سکتا ہے۔ پھر آپ کہتے ہیں "عورتیں کیا جہاد کریں گی جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کا جہاد تلوار سے نہیں بلکہ حج کرنا جہاد ہے" (ص ۵) نہ معلوم یہ حدیث میں کہاں ہے کہ یہ حکم ہر وقت کا ہے کیا ہجوم عدو کے وقت عورتوں پر جہاد فرض نہیں ہو جاتا؟ کیا آپ اس وقت بھی یہ کہہ کر عورتیں کیا جہاد کریں گی سب کو روکنے کی سعی کریں گے اور حکم شریعت کی خلاف ورزی پر عورتوں کو آمادہ کریں گے؟ آپ لکھتے ہیں کہ "ایک پمفلٹ نے فسق یزید کے نام سے جنم لیا، یہ پمفلٹ ان کے ظہور تشیع کی واضح دلیل بھی ہے" (ص ۱)

جب آپ خود تسلیم کر رہے ہیں کہ "ایک ہی راوی کو ایک محدث ثقہ کہتا ہے اور اسی راوی کو دوسرا محدث غیر ثقہ قرار دیتا ہے اور یہی حال یزید کا بھی ہے" الخ (ص ۳) یزید کے خلاف اس قدر منظم پروپیگنڈا کیا گیا کہ جس سے بہت سے لوگوں کو دھوکہ لگا اور بڑے بڑے علماء اس سے متاثر ہوئے (ص ۳) تو پھر فسق یزید کے قائلین کو لازماً تشیع کی تہمت لگانے کا کیا جواز ہے؟ شاید وہ بھی پروپیگنڈے سے متاثر ہوں، کیا بڑے بڑے علماء پر بھی تشیع کی تہمت لگانی جائز ہوگی؟ اگر کسی تاویل سے ان کو اس تہمت سے بچایا جا سکتا ہے تو "فسق یزید" کے مؤلف نے کیا خطا کی جو اس قابل سے اس کو محروم کر کے اس پر تشیع کا الزام لگا دیا۔

آپ نے جو لکھا ہے کہ "جب حقیقت حال کسی کو معلوم ہوئی تو وہ اصل بات سمجھ گئے اور اس غلط پروپیگنڈے کا رد کیا" (ص ۳) مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا اشرف علی تھانوی، مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ وغیرہ اکابر علماء دیوبند میں سے باحوالہ کسی سے اس غلط پروپیگنڈے کا رد دکھلایا جائے اور ثابت کیا جائے کہ ان حضرات میں سے کسی نے "فسق یزید" کا رد کیا ہے۔ آپ اس سے تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اکابر علماء دیوبند نے غلط پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر فسق یزید کا قول کیا تھا، حقیقت حال معلوم ہونے پر اس کا انہوں نے رد کر دیا، اس

کا ثبوت درکار ہے، آپ ثابت کریں کہ علماء دیوبند نے کس جگہ اس کا رد کیا کتاب کا حوالہ دیں۔

اور یہ جو الزام دیا ہے کہ "جب کہ ان اکابر تعزیہ تابوت کو کندھا دینے کے لیے بھی تیار تھے" (ص۲) حیرت ہوتی ہے کہ مولانا نے یہ الزام کیسے دے دیا اگر یہ واقعہ صحیح ہو تو ہوسکتا ہے کہ یہ "تعلیق بالمحال" کے قبیل سے ہوگا۔

قل ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین قرآن کریم میں ہے تو کیا مولانا کے نزدیک اس سے ولد رحمٰن کی عبادت پر آمادگی کا اظہار مقصود ہوگا؟ مولانا الزام دیتے ہوئے آگے پیچھے بالکل نہیں دیکھتے نہ یہ دیکھتے ہیں کہ الزام کہاں تک پہنچے گا۔

دوسرے یہ الزام اصول شرعیہ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ اگر مولانا کو معلوم ہوتا کہ اثارت فتنہ اور بڑے شر سے بچنے کے لیے چھوٹی برائی کو برداشت کرنا بھی شریعت ہی کے اصول میں داخل ہے اور اختیار "اھون البلیتین" بھی شریعت کا ہی اصول ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اثارت فتنہ اور خون خرابہ کے بڑے شر سے بچنے کے لیے یزید کے فسق کو برداشت کرلیا تھا، کہ اس کا شر لازمی تھا اور دوسرا متعدی، تو مولانا یہ الزام ہرگز نہ دیتے، مگر انہوں نے تو الزام دیتے وقت علمی سطح سے بہت نیچے اتر کر عامیانہ انداز اختیار کرلیا بہت افسوس کی بات ہے اہل علم کے لیے اس طرح کا گھٹیا طریقہ اختیار کرنا مناسب نہیں ہے۔

سردست ہم اسی پر اکتفاء کرتے ہیں واللّٰہ ولی الھدایۃ والتوفیق ولا حول ولا قوۃ الا باللّٰہ العلی العظیم اللھم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابہ۔ آمین وصلی اللّٰہ تعالیٰ خیر خلقہ محمد وعلی آلہ واصحابہ واھل بیتہ اجمعین۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی قدس سرہ

مدارس دینیہ اور جبریہ تعلیم

ایک عرصہ سے پاکستان میں دینی مدارس کے خلاف معاندانہ کاروائیاں جاری ہیں اور طرح طرح سے ان کے خلاف محاذ آرائیاں ہورہی ہیں۔کبھی جبریہ تعلیم کے قانون کے ذریعہ اور کبھی دوسرے الزامات لگا کران کو بند کرنے کی تجویزیں سامنے آتی رہتی ہیں،یہ سلسلہ ۱۳۴۶ھ (۱۹۲۵ء) برطانیہ کی حکومت کے زمانہ سے چلا آرہا ہے۔

برطانیہ کے قانون جبریہ تعلیم کے خلاف علماء کی متفقہ کوشش

برطانیہ کے زمانہ میں بھی جبریہ تعلیم کا قانون نافذ کرکے قرآن کریم کی تعلیم کو بند کرنے کی کوشش کی گئی تھی اس وقت تھانہ بھون ،سہارنپور، دیوبند اور دہلی وغیرہ کے علماء کرام نے متفقہ طور پر اس کے خلاف فتویٰ دیا تھا اور اس قانون کو خلاف اسلام اور مداخلت فی الدین قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف بھرپور جدوجہد کی تھی اور وہ حکومت کو واپس لینا پڑا تھا۔

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مدرسہ کے مفتی میرے والدگرامی قدر حضرت مولانا مفتی سید عبدالکریم گمتھلوی مرحوم کو اس قانون کے خلاف سعی کے لیے مامور فرمایا تھا۔چنانچہ حضرت والد صاحب مرحوم نے ایک مفصل فتویٰ اس کے بارہ میں حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے حاصل کیا جس پر دوسرے اکابر علماء مولانا ظفر احمد تھانوی ،حضرت مولانا عبداللطیف صاحب ناظم مظاہر العلوم سہارنپور،شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا سہارنپوری وغیرہ کے دستخط بھی ثبت تھے اس کو طبع کرا کر تقسیم کیا تھا اور ایک انجمن خادم القرآن بھی اسی سلسلہ میں قائم ہوئی تھی ۔

یہ فتویٰ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مقیم نظام الدین دہلی (بانی تبلیغی جماعت) وسرپرست انجمن خادم القرآن دہلی نے چھپوایا تھا اور دہلی میں ایک بہت بڑا جلسہ بھی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی قدس سرہ کی زیرصدارت حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور

حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، حضرت والد صاحب کی کوشش سے کرایا گیا تھا جس میں مفتی اعظم ہند حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی نے بھی شرکت فرمائی تھی حضرت مدنی نے برطانیہ کے اس قانون کے خلاف بڑی زبردست تقریر فرمائی تھی اور اس عظیم الشان جلسہ میں قرارداد پاس کرائی تھی کہ قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرنے والے بچوں کو اس جبریہ تعلیم سے قانوناً مستثنیٰ کیا جائے کیونکہ قرآن کریم کی تعلیم وتحصیل کے لیے وہی عمر مناسب اور تجربہ سے مفید ثابت ہوئی ہے جس میں قانوناً جبری تعلیم نافذ کی گئی تھی۔ ان کوششوں سے بحمداللہ خاطر خواہ نتیجہ نکلا اور کامیابی حاصل ہوئی۔ اس جلسہ کی تفصیلی روئیداد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نے آپ بیتی (ج ۴) میں حسب عادت بڑی تفصیل اور دلچسپ انداز میں تحریر فرمائی ہے۔

جبریہ تعلیم کا نتیجہ

حقیقت یہی ہے کہ جبریہ تعلیم کا یہ واضح نتیجہ ہے کہ قرآن کریم کی تعلیم کو بند کر دیا جائے، اس قانون کو جاری کرنے والے تعلیم قرآن اور ساتھ ہی دینیات کی تعلیم کی بیخ کنی کے درپے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اپنی پھونکوں سے اللہ کے نور کو بجھا دیں گو حسب وعدہ الٰہیہ یہ لوگ اپنے ارادوں میں کامیاب نہیں ہوئے اور نہ قیامت تک ان شاء اللہ کامیاب ہوسکتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: یریدون لیطفئوا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون (پ ۲۸)

ترجمہ: یہ لوگ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے نور کو مکمل کریں گے چاہے یہ بات کافروں کو ناپسند ہو۔

مگر افسوس اس کا ہے کہ یہ نام نہاد مسلمان اپنے آقا انگریزوں کے ہی نقش قدم پر چل رہے ہیں اور اسی کے قانون کو اسلامی ملک میں چلا کر طرح طرح کے حیلوں، بہانوں سے قرآن کریم کی تعلیم اور دینی مدارس کو بند کرنا چاہتے ہیں لیکن قرآن کریم ان قانون ساز، نام نہاد مسلمانوں کی اس بیہودہ سعی کو دیکھ کر زبان حال سے یہ کہتا ہے کہ ع پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا، اور

قتل ایں خستہ بشمشیر تو تقدیر نبود ورنہ ہیچ از دل بے رحم تو تقصیر نبود

اور غالباً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی لوگوں کے بارے میں قیامت کے دن شکایت پیش کریں گے: یارب ان قومی اتخذوا ھذاالقرآن مھجورا (پ۱۹)

ترجمہ: اے رب میری قوم نے اس قرآن کو چھوڑ دیا۔

مسلمانوں کے لیے تعلیم قرآن کی اہمیت

ہمارے یہ انگریزی تعلیم یافتہ حضرات جو علامہ اقبال مرحوم کی تعلیمات پر جان دینا اپنا فرض قرار دیتے ہیں اور پاکستان کو علامہ ہی کی تجویز قرار دیتے ہیں اور اب تو اس سے بھی بڑھ کر جمہوریت اور اکثریت کے مذہب کے علی الرغم شخص واحد کے ہی فلسفہ کو ماڈرن اسلام کے نام پر پاکستان کا قانون بنانے کی آوازیں بھی سنائی دے رہی ہیں کاش ہماری یہ قانون ساز مقننہ ان کی تعلیم کو ہی پیش نظر رکھتی، وہ مسلمان کے لیے قرآن کریم کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

گر ہمی خواہی مسلمان زیستن　　　نیست ممکن جز بقرآن زیستن

علامہ کے نزدیک تو قرآن کریم کے بغیر مسلمان ہو کر جینا ممکن نہیں مگر شاید ہمارے ان دانشوروں کا قرآن کے ہوتے ہوئے زندہ رہنا ممکن نہیں رہتا اس لیے وہ اس کے مٹانے اور اس کی بیخ کنی کے درپے ہیں اور ہر حربہ اس کے مٹانے کے لیے استعمال کرنا ضروری سمجھتے ہیں قرآن کریم اور دینیات کی تعلیم کے دینی مدارس محافظ اور قلعے ہیں اس لیے ان حضرات کی طبع نازک پر ان کا بوجھ ناقابل تحمل ہے مگر پروپیگنڈہ یوں کرتے ہیں کہ یہ قوم پر بوجھ ہیں اس لیے ان کا وجود ناقابل برداشت ہے اور یہ نہیں سمجھتے کہ اپنی مدد آپ کے تحت ہزاروں دینی مدارس دینی تعلیم اور نظریہ پاکستان کے تحفظ کا فرض انجام دے رہے ہیں اسی قرآن کریم اور دینی تعلیم نے برصغیر میں مسلم اور غیر مسلم دو قومی نظریہ کو انگریزی حکومت میں بھی قائم رکھا اور اس تفریق کو مٹنے نہیں دیا جس پر آج پاکستان قائم ہے اگر اس دینی تعلیم کو بند کر دیا جائے تو نہ دو قومی نظریہ باقی رہ سکتا ہے نہ پاکستان کی بنیاد باقی رہ سکتی ہے۔

اہل مدارس کا قوم پر احسان

اہل مدارس اور علماء کرام کا قوم پر یہ بڑا احسان ہے کہ انہوں نے حکومت برطانیہ کے

نظام تعلیم کے بالمقابل مسلمانوں کا نظام تعلیم قائم رکھا اور ہر قسم کی تحریص وترغیب اور مالی تعاون اور سرکاری ملازمتوں کو نظر انداز کر کے قرآن کریم اور دینی تعلیمات کو اپنے سینے سے لگائے رکھا اور اپنے اور غیروں کے ہر طرح کے طعنے برداشت کیے مگر تمام مشکلات کے باوجود اس دینی تعلیم کو گلے سے لگائے رکھا اور مسلم قوم کا تشخص قائم رکھا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جس مسلم اور غیر مسلم دوقومی نظریہ پر پاکستان کو بنایا گیا ہے آج دینی تعلیم کی مخالفت کر کے پاکستان کی بنیاد کو اکھاڑنے کے درپے ہیں لیکن انگریز کی جابر حکومت اس کو نہیں مٹا سکی اور اب بھی اس کو کوئی نہیں مٹا سکتا۔ واللہ متم نورہ کا وعدہ صادق ہے وہ ہر زمانہ میں پورا ہوتا رہے گا اور قرآنی تعلیمات کا نور اپنی ضیاء پاشیوں سے قیامت تک عالم جگمگاتا رہے گا اور مسلمان اس کی نورانی تعلیمات سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

تعلیمات اسلام میں رکاوٹ پیدا کرنا ناجائز ہے

ایسا قانون بنانا جس سے تعلیمات اسلامی اور قرآنی تعلیم میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو کسی طرح جائز نہیں ہے ایسا قانون مذہب اسلام کی رو سے ناجائز ہے ہر مسلمان کے ذمہ حسب استطاعت ایسے قوانین کی مخالفت کرنی اور اس کے منسوخ کرانے میں سعی کرنی فرض ہے خصوصاً قومی اسمبلی کے مسلم ممبران کے ذمہ فرض ہے کہ اس طرح کا قانون نہ بننے دیں اگر بن گیا ہو تو اس پر عمل نہ کرنے دیں اور اس کو فوراً منسوخ کرانے کی تحریک آئینی طریقہ سے پیش کی جائے کیونکہ یہ آئین کے بھی خلاف ہے اس کو جمہور مسلمان ہرگز قبول نہیں کر سکتے حکومت کو چاہیے کہ خوشامدیوں کے طبقہ اور کاسہ لیسوں کی ایسی احمقانہ تجویزوں کو ہرگز قبول نہ کرے جو حکومت کے بھی کسی طرح مفاد میں نہیں ہوسکتیں اور مسلمانوں میں انتشار اور بددلی پیدا کرنے کا سبب بنتی ہیں امید ہے کہ اس مختصر تحریر میں غور کر کے دینی تعلیم کی حفاظت کی طرف پوری توجہ کی جائے گی اور کسی قسم کی کوتاہی عمل میں نہیں ہونے دی جائے گی۔

مدارس دینیہ کا تحفظ

اس پرفتن زمانہ میں دینی تعلیمات کی ضرورت اور اہمیت پہلے سے بھی بڑھ گئی ہے اور

دینی مدارس کا تحفظ پہلے سے بھی زیادہ ضروری ہوگیا ہے ۔اور سرکاری مدارس میں صرف ناظرہ قرآن شریف بغیر ترجمہ کے پڑھ لینا اور چند مسائل سے واقف ہوجانا دینی علوم میں بصیرت اور مہارت کے لیے ہرگز کافی نہیں ہے بلکہ علوم قرآن وسنت سے غافل بنانے اور بے رغبتی کا سبب ہوسکتا ہے کہ اس کے بھروسہ پر علوم قرآن وسنت کی تحصیل سے محروم رہ جائیں گے اور اس مختصر تعلیم کو ہی کافی سمجھ لیا جائے گا یہ تعلیم دین کا فروغ دینا نہیں بلکہ اس سے بے رغبتی کا سبب ہے اس لیے سرکاری مدارس میں صرف تعلیم قرآن کو لازمی قرار دے کر ہی دینی علوم کی تعلیم کا فرض انجام نہیں پا جاتا ۔

دینی مدارس ہرگز قوم پر بوجھ نہیں

باقی رہا دینی مدارس کا قوم پر بوجھ ہونا یہ بالکل خلاف حقیقت بات ہے جو مسلمان ان مدارس کے ساتھ مالی تعاون کرتے ہیں وہ اپنی خوشی سے اپنا فرض سمجھ کر اپنی عاقبت درست کرنے اور ثواب آخرت کے لیے کرتے ہیں وہ ہرگز اس کو بوجھ نہیں سمجھتے ان کا عقیدہ ہے کہ اس تعاون کا اجر ہمیں آخرت میں ان شاء اللہ تعالیٰ ملے گا ، یہ ان کا بینک بیلنس ہے جس کو وہ آخرت کے لیے جمع کررہے ہیں پھر یہ کہ زکوٰۃ ،صدقات وغیرہ ایسی خیرات جو اہل خیر نے بہرصورت ادا کرنی ہی ہوتی ہے یہ ان کے ذمہ فرض ہے ان کو مدارس میں جمع کرانے سے ان کا فرض ادا ہونے کے ساتھ دینی تعلیم کے اجراء اور اس میں تعاون کا مزید ثواب بھی ملتا ہے تو یہ صرف کرنا ''ہم خرما وہم ثواب'' کا مصداق ہے فرض بھی ادا ہوتا ہے اور دینی تعلیم میں تعاون کا ثواب بھی حاصل ہوتا ہے اور ان کے صدقات سے جس قدر طلباء علماء کو فائدہ حاصل ہوگا اور علماء تیار ہوں گے ان کے ثواب میں وہ شامل ہوں گے اس طرح یہ سلسلہ آگے بھی جاری رہے گا اور ان کو بھی ثواب حاصل ہوتا رہے گا۔ آخرت کا ثواب الگ اور دنیا میں حفاظ اور علماء کی صورت میں دست بدست بدلہ ان کو الگ ملتا رہتا ہے ۔ان کے مالی تعاون سے حفاظ اور علماء کا تیار ہونا ان صدقات کا کیا دنیا ہی میں نقد بدلہ حاصل نہیں ہو رہا ؟ غور درکار ہے ۔

مدارس دینیہ کا سرمایہ

بات یہ ہے کہ مدارس دینیہ کا اصل سرمایہ تو کل علی اللہ ہے کسی شخص یا جماعت یا حکومت

پر ان کا مدار کار نہیں ہے لاکھوں روپیہ کے اخراجات اور مصارف مدارس میں متعین ہوتے ہیں اور آمدنی کا کچھ پتہ نہیں ہوتا کہ کب اور کہاں سے ہوگی۔

بعض مدارس بلکہ اکثر حکومت سے بھی کسی طرح کی امداد نہیں لیتے نہ عشر وزکوٰۃ سے نہ اوقاف سے نہ حکومت کے کسی اور شعبہ سے اور دینی مدارس کی اصل روش یہی ہے کہ کسی حکومت کا مالی تعاون قبول نہ کیا جائے پھر بھی اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے حسب ارشاد و من یتوکل علی اللّٰہ فھو حسبہ ان کے مصارف اور اخراجات کی غائبانہ طور پر خلاف توقع تکفل فرماتے ہیں اور ایسی جگہ سے بھیج دیتے ہیں جہاں سے توقع بھی نہیں ہوتی۔ اور و من یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کراتے رہتے ہیں۔

مدارس دینیہ اور توکل

احقر کا ناقص خیال یہ ہے کہ دنیا میں سب سے زیادہ اہل توکل اہل مدارس دینیہ کی ہی جماعت ہوسکتی ہے اس درجہ کا توکل کسی جماعت کو حاصل نہیں ہوتا دوسرے متوکلین نے کسی کا خرچہ اپنے ذمہ لیا ہوا نہیں ہوتا کچھ آجائے گا تو کھالیں گے نہیں تو سب کا فاقہ ہوگا مگر ارباب مدارس تو ہزاروں افراد کے کھانے اور دوسری ضروریات کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں اب اگر یہ حضرات دل سے اللہ تعالیٰ پر توکل کرتے ہیں اور غیر اللہ کی طرف ہاتھ سے یا دل سے احتیاج ظاہر نہیں کرتے تو ان جیسا کون متوکل ہوسکتا ہے؟ رزقنا اللّٰہ تعالیٰ و ایاھم بمنہ و کرمہ۔

مدارس دینیہ کے فضلاء اور دنیوی تعلیم یافتہ حضرات میں فرق

یہ صحیح ہے کہ ان مدارس کے فارغ علماء ہزاروں روپیوں کے کمانے والے نہ ہوں گے مگر عزت نفس اور استغناء کا وہ جوہر ان کو حاصل ہوگا جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت کو بھی وہ ہیچ سمجھے گا کیونکہ وہ قناعت پیشہ اور کفایت شعار ہوتے ہیں۔

بخلاف دنیوی کالجوں اور یونیورسٹیوں کے فارغین طلبا کے کہ ان میں حرص اور طمع ہوتی ہے اور اس کو ترقی کے نام پر قصداً ان میں پیدا کیا جاتا ہے ان کو رشوت ستانی اور ناجائز طریقوں سے مال کمانے کی فکر رہتی ہے۔

سرکاری ملازمین کی تنخواہیں اور سرکاری طلباء کا خرچ

دوسری طرف قابل غور یہ بات بھی ہے کہ ہمارے محترم سرکاری ملازمین، افسران بالا، وزراء، صدر مملکت سب ہی خزانہ سرکاری سے ہی بڑی بڑی معقول تنخواہیں وصول کرنے والے کیا قوم پر بوجھ نہیں ہوتے اور سرکاری طلباء کے وظائف پر جو خزانہ سے خرچ ہوتا ہے وہ قومی خزانہ سے نہیں ہوتا؟ آخر یہ قوم پر بوجھ کیوں نہیں سمجھا جاتا۔ حالانکہ دینی مدارس کے چندہ طلب کرنے والے تو خوشامد یا ثواب کا لالچ دے کر ہی وصول کرتے ہیں کوئی زور اور جبر کی قوت ان میں نہیں ہوتی بلکہ وہ تو معاشرہ کے کمتر لوگوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور یہ قومی خزانہ جن ٹیکسوں سے بھرا جاتا ہے ان میں اکثر ٹیکس جبراً ہی وصول کیے جاتے ہیں دینے والوں کی رضا اور رغبت کا نام ونشان بھی اکثر نہیں ہوتا تو کیا یہی انصاف ہے کہ رضامندی سے حاصل کیا ہوا مال لینا تو قوم پر بوجھ اور ذلت کا سبب ہے اور اس سسٹم کو بند کرنا چاہتے ہیں اور جبری وصول کیا ہوا مال کا حاصل کرنا شرافت اور عزت کا موجب ہے فیاللعب۔

آپ ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کریں　　　ہم اگر عرض کریں گے تو شکایت ہوگی
اند کے با تو گفتم غم دل آزردم　　　کہ تو آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

خلاصۂ گزارش

ہماری عرض کا خلاصہ یہ ہے کہ جبریہ تعلیم کی سکیم کا نتیجہ بھی دینی مدارس کو نقصان پہنچانا ہی ہے یہ سکیم انگریز بہادر نے اپنے دور میں شروع کی تھی اس کی اس وقت بھرپور مخالفت ہوئی تھی اب بھی اس کی مخالفت ہوگی یہ ہرگز کامیاب نہیں ہوسکتی اور دینی مدارس اور اس کے تعلیمی نظام کا نقصان ہرگز برداشت نہیں کیا جائے گا۔

یہ سوداء ہر حکومت کے دماغ میں سمایا ہوا ہوتا ہے کہ تعلیم کو عام کرنا چاہیے تعلیم کی شرح میں اضافہ ہونا چاہیے ہم اس کے مخالف نہیں بے شک بچہ بچہ کو تعلیم یافتہ بنادیا جائے ہم یہ نہیں کہیں گے جس طرح علامہ اقبال مرحوم کے استاذ اکبرالہ آبادی نے کہا تھا۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا　　　افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

بلکہ ہم یہ کہتے اور چاہتے ہیں۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو جائز ہے کہ غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندہ عاجز کا رہے یاد اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

اس لیے اپنی سکیم بناتے ہوئے دینی مدارس کے نظام کا تحفظ رکھنا ازبس ضروری ہے۔

علامہ اقبال مرحوم کی نصیحت

یہی مکتبی اور ملاؤں کی تعلیم ہے جس کے ذریعہ پاک وہند میں اسلام کا بقاء ہوا اور پاکستان کا قیام بھی ممکن ہوا اور اب اس کا بقاء بھی اس کے ذریعہ مقصود ہے ورنہ بقول علامہ اقبال مرحوم اس سرزمین میں غرناطہ اور قرطبہ کی طرح اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہ ملتا علامہ کہتے ہیں:

ان مکتبوں کو اسی حالت میں رہنے دو غریب مسلمانوں کے بچوں کو انہی مدارس میں پڑھنے دو، اگر یہ ملا اور درویش نہ رہے تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں اگر ہندوستانی مسلمان ان مدرسوں کے اثر سے محروم ہو گئے تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اندلس میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈرات اور الحمراء اور رباب الاخوین کے نشانات کے سوا اسلام کے پیروں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا ہندوستان میں بھی آگرہ کا تاج محل اور دلی کے لال قلعے کے سوا مسلمانوں کی آٹھ سو سالہ حکومت اور ان کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا (دارالعلوم دیوبند ص ۹۴)

ہم اپنی اس عرض کو علامہ اقبال مرحوم کی اسی نصیحت پر ختم کرتے ہیں اور زور دیتے ہیں کہ جبریہ تعلیم کے قانون کے مضر اثرات سے مدارس دینیہ اور مکتبی تعلیم کو محفوظ رکھا جائے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو علوم دینیہ کی تعلیم حاصل کرنے اور مدارس دینیہ کے تحفظ کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے، آمین۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

۱۱/رجب المرجب ۱۴۱۶ھ

حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری

دینی مدارس اور حکومت کے مابین معاہدہ

گذشتہ دنوں اتحاد تنظیمات مدارس اور حکومت کے مابین دینی مدارس کے حوالے سے کچھ امور پر اصولی اتفاق کیا گیا، اس اتفاق کے بارے میں بہت سے حلقوں میں مختلف قسم کا ابہام پایا جاتا ہے، بالخصوص مذہبی طبقے اور مدارس کی دنیا میں ان مذکرات کی تفصیل، پس منظر، متفقہ نکات اور ان کے نتائج کے حوالے سے مکمل اور درست معلومات نہ ہونے کی وجہ سے بعض احباب کی طرف سے تشویش کا اظہار بھی کیا جاتا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ یہ تشویش، سوالات اور مدارس کے حوالے سے بیداری اور حساسیت بہت غنیمت ہے، زیرنظر مضمون میں ان مذکرات میں طے پانے والے امور کے حوالے سے حقیقی صورت حال واضح کرنا مقصود ہے تاکہ ابہام دور ہو اور اس معاملے کی حقیقی تصویر سب کے سامنے آ سکے۔

۷/ اکتوبر ۲۰۱۰ء کو حکومت اور مدارس دینیہ کی قیادت کے مابین جن امور پر اصولی اتفاق کیا گیا وہ درج ذیل ہیں:

(1) حکومت دینی مدارس کے پانچوں نمائندہ وفاقوں کو خودمختار تعلیمی اور امتحانی بورڈ کا درجہ دے گی اور ایگزیکٹو آرڈر یا ایکٹ آف پارلیمنٹ کے ذریعے اس بورڈ کو قانونی اور آئینی حیثیت دی جائے گی۔

(2) دینی مدارس میں میٹرک اور انٹرمیڈیٹ تک عصری مضامین کو شامل کیا جائے گا۔

(3) دینی مدارس گورنمنٹ کی طرف سے شائع کردہ متعلقہ کلاس کی عصری مضامین کی کتب پڑھائیں گے، اپنے لیے کوئی الگ نصاب یا کتب تیار نہیں کریں گے۔

(4) درس نظامی اور دینی علوم کے حوالے سے حکومت کا کوئی عمل دخل نہیں ہوگا، مدارس دینیہ اپنے نصاب کی تشکیل و تعیین اور تدریس کے سلسلے میں مکمل طور پر آزاد اور خودمختار ہوں گے۔

(5) ہر وفاق کی نصاب کمیٹی میں حکومت کے دو نمائندے ہوں گے جو بوقت ضرورت صرف

عصری مضامین کی تعلیم وتدریس اور معیار کے حوالے سے ہونے والی مشاورت میں شریک ہوں گے، ان دونوں نمائندوں کا دینی نصاب ونظام سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

(6) عصری مضامین کے نصاب تعلیم، معیار تعلیم اور معیار امتحان میں یکسانیت پیدا کرنے کے لیے مدارس کے نمائندہ وفاقوں اور حکومت کے درمیان ایک مشترکہ ادارہ بنے گا جس کا نام، دائرہ اختیار، دائرہ کار اور ہیئت کے حوالے سے اگلے اجلاس میں مشاورت کی جائے گی۔

(7) رجسٹریشن ایکٹ جو ۲۰۰۶ء میں جاری ہو چکا اور نافذ العمل بھی ہے دینی مدارس اس کی مکمل پاسداری کریں گے۔

(8) حکومت کسی بھی مدرسے کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کرے گی تاوقتیکہ وہ ٹھوس ثبوت کے ساتھ متعلقہ وفاق کو اعتماد میں نہ لے۔

(9) ایکٹ آف پارلیمنٹ / ایگزیکٹو آرڈر کا مسودہ حکومت اور اتحاد تنظیمات مدارس کی باہمی مشاورت سے تیار کیا جائے گا، حکومت یک طرفہ طور پر کوئی مسودہ پیش نہیں کرے گی۔

یاد رہے کہ یہ معاہدہ حادثاتی طور پر اور اچانک نہیں ہوگیا بلکہ اس سلسلے میں گذشتہ دس سالوں سے حکومت کے ساتھ مذکرات کا سلسلہ جاری ہے، اس عرصہ میں ان مذکرات میں مختلف نشیب وفراز آئے، بعض مواقع پر ڈیڈلاک بھی پیدا ہوا اور بعض مواقع پر یوں محسوس ہوا جیسے حکومت اور مدارس کی قیادت کسی حتمی نتیجے اور منزل تک پہنچ جائے گی، مگر یہ سلسلہ جاری رہا اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ ان مذکرات کے دوران ہر مرحلے پر مدارس کی تمام نمائندہ تنظیموں نے اپنی اپنی مجالس عاملہ کے مختلف اجلاسوں میں تفصیل سے حکومت اور مدارس کے مابین زیر بحث آنے والے امور پر تبادلہ خیال اور غور وخوض کیا اور اس کے ممکنہ نتائج واثرات اور فوائد ونقصانات پر تفصیلی بات چیت ہوئی پھر اتحاد تنظیمات مدارس کے پلیٹ فارم پر بھی مشاورت ہوتی رہی حتیٰ کہ بعض قانونی، تعلیمی اور سیاسی ماہرین سے بھی رہنمائی طلب کی گئی اور آئندہ بھی کوئی فیصلہ مدارس کی نمائندہ تنظیموں کی مجالس عاملہ ومجالس شوریٰ اور دیگر ارباب مدارس کو اعتماد میں لیے بغیر نہیں کیا جائے گا۔

جہاں تک اس اتفاق کے نتیجے میں طے پانے والی عصری تعلیم کا معاملہ ہے، اس کے بارے میں ارباب مدارس یہ بات ذہن نشین کرلیں کہ عصری تعلیم جبراً مدارس پر مسلط نہیں کی جائے گی اور کوئی بھی مدرسہ عصری تعلیم دینے کا پابند نہیں ہوگا، کیونکہ پاکستان کے آئین کے مطابق تعلیم کی آزادی کا حق مسلم ہے اور اس سلسلے میں کسی قسم کی قدغن نہیں لگائی جاسکتی تاہم جو مدارس اپنے ہاں عصری تعلیم نہیں دیں گے ان کی اسناد کی حیثیت بھی عصری تعلیم دینے والے اداروں کے مساوی نہیں ہوگی۔

یہ بھی یاد رہے کہ عصری تعلیم کو مدارس میں شامل کرنا کوئی بیرونی ایجنڈا نہیں، بلکہ وفاق المدارس کی قیادت اور ہمارے اکابر نے اس کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے آج سے دو دہائیاں قبل ۱۹۸۹ء میں مڈل تک عصری تعلیم کو شامل نصاب کرنے کا فیصلہ کیا تھا، یہ اس دور کی بات جب حکومت سے کسی قسم کے مذاکرات وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس وقت مڈل تک نصاب میں انگریزی، ریاضی سمیت جملہ عصری مضامین کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا گیا اور متوسطہ کے نام سے مڈل تک عصری تعلیم دی جانے لگی اور ۱۹۸۹ء سے لے کر اب تک متوسطہ باقاعدہ مدارس کے نظام کا حصہ ہے، اس کے بعد ۲۰۰۲۔۳ء میں نویں اور دسویں کلاس کی تعلیم کو از خود وفاق المدارس نے اپنے نصاب میں شامل کیا، جو آج تک اختیاری طور پر نصاب میں شامل ہے، اب صرف ایک قدم آگے بڑھ کر انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دینے کا ارادہ کیا گیا ہے، کیونکہ وفاق المدارس کی ہمیشہ یہ پالیسی رہی ہے ایسی عصری تعلیم جو ہمارے مقاصد میں مخل نہ ہو بلکہ ممد ومعاون ہو اسے نصاب میں شامل کرنے میں ہمیں کوئی تردد نہیں ہوگا۔

البتہ اس اتفاق کے تناظر میں بعض حلقوں کی طرف سے اس خدشے کا اظہار کیا جارہا ہے کہ اس فیصلے سے ہماری دینی تعلیم متاثر ہوگی، اس بارے میں اکابر علماء کرام اور ارباب علم ودانش کو سوچنا چاہیے اور اس کا کوئی بہتر حل تجویز کرنا چاہیے، ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ درس نظامی کا حجم کم نہ کیا جائے بلکہ تعلیم کا دورانیہ بڑھا دیا جائے۔

دوسری بات جس پر ہمارے ہاں بہت حساسیت پائی جاتی ہے وہ حکومتی مداخلت ہے،

اس حوالے سے یاد رہے کہ حکومتی نمائندے مدارس کی تنظیموں کی مجالس عاملہ یا مجالس شوریٰ میں شامل نہیں ہوں گے، بلکہ محض نصابی کمیٹی میں شامل ہوں گے اور وہ بھی صرف اس اجلاس میں شریک ہوں گے جس کے ایجنڈے میں عصری تعلیم کے حوالے سے کوئی مشاورت یا غور وخوض کیا جائے گا، اس کے علاوہ دینی معاملات اور دینی امور کے ساتھ ان کا کوئی سروکار نہیں ہوگا، یوں تمیں افراد پر مشتمل امتحانی کمیٹی میں ان دو افراد کی موجودگی معاونت کے لیے ہوگی مداخلت کے لیے نہیں۔

بہرحال مدارس دینیہ کی قیادت نے پوری دیانت داری، ذمہ داری اور احتیاط کے ساتھ یہاں تک سفر کیا ہے اور ابھی بہت سفر اور کئی مراحل باقی ہیں، اکابر کی رہنمائی، مجالس عاملہ ومجالس شوریٰ کی مشاورت اور ارباب مدارس کی آراء وتجاویز کی روشنی میں آگے بڑھا جائے گا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اب تک کی پیش رفت ہماری کامیابی ہے، کیونکہ مدارس کے نمائندہ وفاقوں کو خود مختار امتحانی بورڈ کا درجہ دینے کا مطالبہ ہمارا دیرینہ مطالبہ تھا اور ہمارے ہر اجلاس، ہر قرارداد اور اعلامیے میں بار بار اس کا مطالبہ کیا جاتا رہا ہے، اسی طرح مدارس کی تحتانی اسناد کی عدم قبولیت بھی ہمارا ایک دیرینہ مسئلہ تھا، اس سے قبل حکومت مدارس کے سسٹم اور حیثیت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں تھی، لیکن اس فیصلے سے ہم اپنا تشخص منوانے میں بھی کامیاب ہوئے، اپنی تعلیمی اور امتحانی حیثیت قبول کروانے میں بھی کامیاب رہے، اپنی تحتانی اسناد کی حیثیت بھی منوالی۔

باقی یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ مدارس کی قیادت مدارس کے معاملے میں کسی بھی شخص سے زیادہ محتاط اور حساس ہے اور تمام قائدین کو اس بات کا بخوبی احساس وادراک ہے کہ اس وقت دینی مدارس بیرونی قوتوں کے ایجنڈے پر ہیں، یہی وجہ ہے کہ مدارس کی قیادت کو چومکھی لڑائی لڑنی پڑ رہی ہے، تمام احباب خاطر جمع رکھیں ایسا کوئی فیصلہ قطعاً قبول نہیں کیا جائے گا جس سے مدارس کی حیثیت، مقاصد یا حریت وآزادی پر کوئی حرف آئے، وما توفیقی الا باللّٰہ۔

مفتی محمد عبداللہ چنیوٹی

احکام القرآن مفتی عبدالشکور ترمذی کا منہج

تحقیقی جائزہ (قسط۲۶)

مسئلہ فقہیہ میں مذاہب ائمہ

قوله تعالٰی: وا توا حقه يوم حصاده.

فيه حجة لابي حنيفة رحمه الله ان الزكوٰة يجب في القليل والكثيريعني ابيح لكم الاكل من هذه الاشياء في اول وقت الثمر، واوجب عليكم اعطاء الحق بعدالدرك والكمال. فيكون قوله تعالى: "وا توا" للوجوب، ويكون الاية حينئذ مدنية على ماقالوا، ويكون المراد من الحق زكوٰته وهو العشر اونصفه. هكذا ذكر في الزاهدی واليه اشار صاحب المدارك حيث قال: وهو حجة ابي حنيفة رحمه الله في كل ما اخرجته الارض يجب الزكوٰة الا الحطب والقصب والحشيش ولكن فرق بين ماسقي بسيح اوسقته السماء وبين ما سقي بغرب اوداليه، فان الواجب في الاول العشر، وفي الثاني نصفه، لكثرة المؤنة فيه، وقلتها في الاول ولم يشترط بقاءه سنة ولابلوغه خمسة اوسق عنده، وعندابي يوسف ومحمد هما شرطان لوجوب الزكوٰة، فليس في الخضروات ولا في القليل زكوٰة عندهما۔

مسئلة العشرفي العسل

وهكذايوجب في العسل اذا اخذ من الارض العشر لقوله عليه السلام: في العسل العشر وعند الشافعي رحمه الله لايجب لانه متولدمن الحيوان فاشبه الابريشم ولكن عند ابي حنيفة رحمه الله لافرق بين ان يقل العسل اويكثر. وعن ابي يوسف رحمه الله انه يعتبرفيه قيمة خمسة اوسق وفيه روايات كثيرة عنهما.

مؤلف نے سورۃ انعام کی آیت وا توا حقه يوم حصاده سے امام ابوحنیفہ کا مسلک کہ زرعی پیداوار کم ہو یا زیادہ اس پر بہر حال عشر واجب ہے پر اس آیت سے دلیل پیش کی ہے:

فرماتے ہیں: کہ جب ان میں پھل آ جائے تو تمہارے لئے کھانا مباح ہے اور پھل حاصل کر لینے کے بعد تمہارے ذمہ اس کا حق ادا کرنا واجب ہے پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد وا تـوا وجوب کیلئے ہے، مفسرین کے مطابق یہ آیت مدنی ہوگی، اور حق سے مراد عشر یا نصف عشر ہے اس کی طرف علامہ زاہدی اور صاحب مدارک نے بھی اشارہ فرمایا ہے اور یہ امام ابوحنیفہ کی دلیل ہے

کہ جتنی بھی پیداوار زمین سے ہو اس میں زکوۃ ہے سوائے ایندھن کی لکڑی اور سر کنڈے ان میں عشر نہیں۔ شہد میں عشر کا مسئلہ بھی واضح فرماتے ہیں کہ:

جب شہد عشری زمین سے حاصل کیا جائے تو اس میں بھی عشر ہونے کی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ شہد میں عشر ہے۔ جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ: شہد میں عشر واجب نہیں ہے۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ: یہ حیوان سے پیدا ہو رہا ہے یہ ابریشم کے حکم کی طرح ہوگیا، لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک قلیل و کثیر شہد میں کوئی فرق نہ ہوگا جبکہ امام ابو یوسف فرماتے ہیں عشر شہد کی قیمت پر وارد ہوگا، اس بارے میں ان دونوں حضرات کی طرف سے روایات مختلف ہیں۔

ناسخ ومنسوخ

جواز نسخ القران بالسنة

وماروی عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ومحمد بن الحنفیۃ وابراهیم عن قوله تعالی (واتوا حقه یوم حصاده) منسوخ بالعشرونصف العشریبین ان مذهبهم تجویز نسخ القران بالسنة.

مؤلف نے نسخ القرآن بالسنۃ کی دلیل پیش کی کہ آیت قرآن مجید واتوا حقه یوم حصاده کے بارے میں کہ حضرت ابن عباس محمد بن الحنفیہ اور ابراہیم سے راویت کرتے ہیں کہ ارشاد باری تعالیٰ **واتوا حقه یوم حصاده** یہ عشر اور نصف عشر سے منسوخ ہے، اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ ان حضرات کا یہ مذہب ہے کہ قرآن کا نسخ سنت کے ذریعہ ہو سکتا ہے۔

ثمرۂ اختلاف

قوله تعالی: ومن یکفر بالایمان فقد حبط عمله وهوفی الآخرة من الخاسرین.

وثمرة الاختلاف یظهر فیمن صلی ثم ارتد (العیاذ باللہ)ثم اسلم والوقت باق، فانه یلزمه عندالامام قضاء الصلوة خلافا للشافعی رحمه الله وکذا الحج، (فقال الشافعی لااعادة علیه لان عمله باق) واختلف الشافعیون فیمن رجع الی الاسلام بعدالردة هل یرجع له عمله بثوابه ام لا؟. فذهب بعض الی الاول فیما عداالصحبة فانها ترجع مجردة عن الثواب وذهب المحل الی الثانی وان اعماله تعودبلا ثواب، ولا فرق بین الصحبة وغیرها. ولعل ذلک هو المعتمدفی المذهب وقال مالک یلزمه الحج لان الاول قدحبط بالردة. واستظهر علماء المالکیة بقول الله عزوجل (لئن اشرکت لیحبطن عملک)

وانما ذکر الموافاة شرطا هاهنا، المراد بالموافاة ان یموت فی حالة الردة علی الکفر

اشارة الی قوله تعالی (فیمت وهو کافر) لانه علق علیه الخلود فی النار جزاء فمن وافی کافرا خلد فی النار بهذه الآیة. ومن اشرک حبط عمله بالآیة الاخری، فهما آیتان مفیدتان لمعنیین مختلفین وحکمین متغائرین وماخوطب به النبی صلی الله علیه وسلم فهو لامته حتی یثبت اختصاصه به.

فالموافاة شرط لخلود فی النار لا لحبط الاعمال فانه من یکفر بالایمان فقد حبط عمله، نعم الخسران فی الآخرة مشروط بالموت علی ذلک الکفر، اذ لو تاب عن الکفر لم یکن فی الآخرة من الخاسرین. هذا الشرط یدل علیه قوله تعالی: فیمت وهو کافر قاله الرازی اوفی الآیة دلالة ایضا ان لا فرق بین اهل الکتاب وبین المشرکین فی احکام الآخرة. لان من یکفر بالایمان فقد حبط عمله وهو فی الآخرة من الخاسرین وان کان من اهل الکتاب. فاباحة نکاح المحصنات من الذین اوتوا الکتاب للمؤمنین وحل ذبائحهم لهم لیست دلیلا علی ان الله تعالی رضی بدیناهل الکتاب.

مؤلف سورۃ مائدہ کی آیت نمبر ۵ کے آخری حصہ ومن یکفر بالایمان فقدحبط عمله وهو فی الآخرة من الخاسرین سے مسئلہ کا استنباط فرماتے ہیں:

کہ اس سے ایک مسئلہ کی طرف رہنمائی ملتی ہے وہ ایک اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ مرتد کے اعمال اس کے عمل ارتداد کی وجہ سے ضائع ہوجاتے ہیں یا کفر پر موت واقع ہونے کی صورت میں ضائع ہوتے ہیں ۔اس مسئلہ میں امام مالک اورامام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ عمل ارتداد کی وجہ سے ہی اس کے اعمال ضائع ہوجاتے ہیں جبکہ امام شافعی نے فرمایا کہ کفر پر موت کی صورت میں اعمال حبط ہوتے ہیں۔

اس کے بعد تفصیلی دلائل کے اختتام پر ثمرہ اختلاف بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز ادا کرتا ہے، پھر وہ مرتد ہوجاتا ہے پھر اسلام لے آتا ہے جبکہ اس نماز کا وقت ابھی باقی ہے تو اس صورت میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس نماز کی قضا لازم ہوگی جبکہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ چونکہ اس کا عمل باقی ہے اس لئے نماز کا اعادہ ضروری نہیں ہے ثمرہ اختلاف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ میں اختلافی نتیجہ معلوم کرنے کیلئے ایسی مثال پیش کرنا جس سے اختلاف واضح سمجھ میں آجائے۔

اقوال فقہاء میں مفتی بہ قول کی نشاندہی

تفصیل حکم بین الاذن والعذار

لما کان حد الوجه عرضا مابین الاذنین علم منه ان ما قبل الاذن کله داخل فی الوجه

کما هو مذهب ابی حنیفة رحمه الله ومحمد رحمه الله فیکون مابین العذار (العذار بکسر العین المهملة جانب اللحیة) والاذن داخلافی فرض الغسل فیفرض غسله وعلیه اکثر المشائخ وذکر شمس الائمة الحلوانی یکفیه ان یبل ما بین العذار والاذن ولا یجب اسالة الماء علیه بناء علی ماروی عن ابی یوسف رحمه الله ان المصلی اذا بل وجهه واعضاء وضوءه بالماء ولم یسل الماء عن العضو جاز ولکن قیل تاویله انه سال من العضو قطرة او قطرتان ولم یتدارک ای لم یتتابع ولم یترادف بحیث یلحق اخر القطرة قطرة اخری۔

فصارت الاقوال ههنا ثلثة احدها: ما ذهب الیه ابو حنیفة ومحمد من ان المعتبر فی الغسل هو الاسالة والتقاطر فی جمیع الاعضاء المغسولة واجزءها واما بین العذار والاذن داخل فی الوجه ویفرض غسله کغسل باقی الاعضاء. وثانیها قول ابی یوسف: انه یکفی فی الغسل ان یبل وان لم یسل الماء واما بین العذار والاذن غیر داخل فی الوجه فلا یفرض بله ایضا. وثالثها قول شمس الائمة ان المعتبر فی غسل الوجه وغیره وهو الاسالة الا مابین العذار والاذن فانه مع دخوله فی الوجه یکفیه البل۔

والمفتٰی به من هٰذه الاقوال هو القول الاول

فان اهل اللغة اطبقوا علی اعتبار الامرار والاسالة فی حقیقة الغسل ولیس البل غسلا عندهم (وهو ظاهر الروایة کما مر عن عمدة الرعایة) وکذا فسر الوجه بما تقع به المواجهة ومابین العذار والاذن کذلک (تقع به المواجهة فیکون داخلا فی الوجه)

مؤلف فقہاء احناف کے مختلف اقوال میں سے وہ قول ذکر فرماتے ہیں جو راجح ہو اور اس پر فتویٰ دیا گیا ہوتا ہے۔ جیسے آیت وضو یاایها الذین امنو اذاقمتم الی الصلوٰة فاغسلوا وجوهکم کے تحت یہ مسئلہ بھی زیر بحث لاتے ہیں کہ چہرہ دھوتے ہوئے کان اور عذار کے درمیان کا حصہ دھونا فرض ہے یا نہیں عذار کان سے داڑھی کی جانب والا حصہ ہوتا ہے۔ فرمایا اس بارے میں تین اقوال ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہ اور امام محمد فرماتے ہیں کہ غسل وجہ یعنی چہرہ دھونے میں پانی تمام اعضاء واجزاء سے ٹپکنا معتبر ہوگا، کان اور عذار کے درمیان کا حصہ چونکہ چہرہ میں داخل ہے اس لئے اس کا دھونا بھی فرض ہوگا۔

(۲) امام ابو یوسف فرماتے ہیں: کہ غسل وجہ میں تر کرلینا کافی ہے اگر چہ پانی نہ بہے جبکہ کان اور عذار کے درمیان کا حصہ چہرہ میں داخل نہیں ہے اس لئے اس کا تر کرنا بھی فرض نہ ہوگا۔

(۳) شمس الائمہ فرماتے ہیں کہ: چہرہ وغیرہ دھونے میں پانی کا بہنا معتبر ہوگا، سوائے

کان اورعذار کے درمیانی حصہ کے کیونکہ اس کے چہرہ میں داخل ہونے کی وجہ سے تر کرنا کافی ہوگا،اس کے بعد حضرت مفتی صاحب فرماتے ہیں:

ان اقوال میں سے مفتی بہ قول پہلا قول ہے اس کی توضیح فرماتے ہیں کہ اہل لغت کے نزدیک دھونے کی حقیقت تب حاصل ہوگی جبکہ پانی بہایا جائے جبکہ تر کرنا غسل نہیں کہلاتا اور اسی طرح اہل لغت چہرہ کی تفسیر بیان کرتے ہیں کہ چہرہ اسے کہتے ہیں جس سے مواجہ ہو اور چہرہ اور عذار کے درمیان کا حصہ بھی چونکہ مواجہہ میں داخل ہے اس لئے یہ بھی چہرہ میں داخل ہوگا۔

اجماعی مسائل

الاجماع علی ان القطع من الرسغ

والیداسم للعضو الی المنکب،ولذلک ذھب الخوارج الی ان المقطع ھو المنکب لکن توارث العمل، وانعقد الاجماع علی ان القطع من الرسغ ومثلہ لا یطلب لہ سند بخصوصہ وقدروی فیہ خصوص متون، امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قطع السارق من المفصل،رواہ الدارقطنی فی حدیث رداء صفوان وضعف بالعذری،ورواہ ابن عدی فی الکامل عن عبداللہ بن عمرو فیہ عبدالرحمن بن سلمۃ،قال ابن القطان لا اعرف لہ حالا واخرہ ابن ابی شیبۃ عن رجاء بن حیوۃان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قطع رجل منالمفصل، وانما فیہ الارسال. واخرج عن عمر وعلی رضی اللہ عنہما انہما قطعامن المفصل.وقیل:الیداسم مشترک یطلق علی ما الی المنکب وما الی الرسغ،بل الاطلاق الثانی اشھرمن الاول حتی یتبادرعندالاطلاق.واذکان مشترکا فالقطع من الرسغ عملا بالمتیقن ودر للزائد عن احتمال عدمہ.

حضرت مؤلف کو جہاں جہاں کسی مسئلہ کے بارے اجماعی مسلک کا علم ہوتا ہے وہ اس کا تذکرہ ضرور فرماتے ہیں،جیسا کہ چور کی سزا کے بارے میں سورۃ مائدہ میں ذکر فرمایا۔

اس بارے میں اجماع ہے کہ ہاتھ کلائی کے پاس سے کاٹے جانے کا حکم ہے،اس کی توضیح فرماتے ہیں کہ ہاتھ کا اطلاق کندھے تک ہوتا ہے اسی وجہ سے خوارج نے کہا کہ کاٹنے کی جگہ کندھا ہے لیکن تعامل امت اوراجماع اس بات پر ہے کہ قطع ید کلائی کے پاس سے ہوگا اور اس کی کوئی خصوصی سند طلب نہیں کی جاتی ،اس بارے میں خصوصی متن موجود ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چور کا جوڑ کے پاس سے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا۔(جاری..........)

ع ۔ن ۔ت

تعارف وتبصرہ

نام کتاب: نظام تربیت اوراس کا طریقہ کار صفحات 130

تالیف: حضرت مولانا محمد صادق بلاسپوری صاحب قیمت:150

ناشر: مکتبہ حبیبیہ مدنیہ جامعہ حبیبیہ تعلیم القرآن فٹابازار فیصل آباد

ہر مسلمان مرد وعورت کے لیے اسلام کے بنیادی عقائد اورارکان سے متعلق ضروری معلومات حاصل کرنا فرض ہے جس سے آج کل غفلت برتی جارہی ہے اورمسلمان بچے اور بچیاں دین اسلام کے بنیادی عقائد تک کی صحیح تعلیمات سے ناواقف اور بے بہرہ ہیں۔

زیرنظر کتاب میں اسی اہم ضرورت کو پورا کرنے کے لیے آسان اور عام فہم انداز میں بنیادی ضروری مسائل کو بیان کیا گیا ہے۔

کتاب ہذا دوحصوں پر مشتمل ہے حصہ اول میں ایمانیات ،عقائد اورنماز وغیرہ کے ضروری مسائل کا بیان ہے جبکہ دوسرا حصہ نماز جنازہ، روزہ، زکوۃ، حج اورنکاح وغیرہ کے مسائل پر مشتمل ہے۔امید ہے کہ علم دوست حضرات اس کتاب کی قدر فرمائیں گے۔

نام کتاب: حرمین کے راہی مرتب: مولانا عبدالحمید وٹو صاحب صفحات: 120

قیمت: 200 ناشر: شعبہ نشرواشاعت کنزالقرآن قلعہ دیدار سنگھ ضلع گجرانوالہ

زیرنظر کتاب میں مؤلف زیدمجدہم نے اپنے سفر عمرہ کی دلچسپ روئیداد مرتب فرمائی ہے،اس مبارک سفر کی روئیداد مرتب کرنا بڑے جان جوکھوں کا کام ہے کیونکہ اس سفر کا تعلق قلبی کیفیت سے ہے جسے الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔

مرتب نے اپنے مشاہدات، جذبات اوراحساسات کو عمدہ انداز میں پیش کرنے کی سعی کی ہے جس پر وہ مبارکباد کے مستحق ہیں،اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائیں اوران کے لیے دنیاوآخرت میں خیر کا ذریعہ بنائیں۔آمین یارب العالمین۔

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبار الجامعہ

۲۶ رذی الحجہ: حضرت صدر مدظلہم نے جامع مسجد حقانیہ میں جمعہ کے موقعہ پر بیان فرمایا۔

۲۹: حضرت صدر مدظلہم جامعہ اسلامیہ محمودیہ گلشن رحمان سرگودھا اور قاری محمد اکرم سراجی صاحب کے ہاں تشریف لے گئے۔

یکم محرم الحرام: آج جامعہ میں درجہ تخصص اور دورہ حدیث شریف کے بعض اسباق کا افتتاح ہوا۔

۲: تھانہ ساہیوال سے جناب ایس ایچ او ایڈیشنل ایس ایچ او صدر جامعہ سے ملاقات کے لیے جامعہ تشریف لائے محرم الحرم میں امن وامان کے حوالہ سے صدر جامعہ نے اپنی اہم تجاویز دیں ان حضرات نے ان پر عمل کا وعدہ کیا۔

۳: جمعہ پر بیان کے بعد صدر جامعہ مولانا محمد اشرف علی صاحب سے ملاقات کے لیے جامعہ محمودیہ سرگودھا تشریف لے گئے۔

۴: حضرت مدظلہم دار العلوم الاسلامیہ لاہور شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لیے تشریف لے گئے۔

۸: جناب ڈاکٹر قاضی اکبر علی صاحب کے جوان صاحبزادے ڈاکٹر عمران اکبر انتقال کر گئے، صدر جامعہ نے بعد نماز ظہر ہائی اسکول کے گراؤنڈ میں مختصر بیان کے بعد ان کا جنازہ پڑھایا بعد ازاں موضع ہندواں تحصیل ساہیوال میں سالانہ جلسہ پر بیان فرما کر دعا کرائی۔

۱۰: حضرت مدظلہم نے درجہ تخصص اور دورہ حدیث شریف کے طلبا وطالبات کو احادیث مسلسلہ کی اجازت دی اور دعا فرمائی۔

۱۲: موضع ابووالا تحصیل ساہیوال میں شیعہ سنی تنازعہ کی وجہ سے آج ساہیوال میں اہل تشیع کے خلاف پرچہ درج کرانے کے لیے عوام نے انتظامیہ پر بہت زور ڈالا اور احتجاجی

مظاہرہ کیا، جناب سید عبدالغفور ترمذی، اور جناب سید عبدالعلیم ترمذی نے بھی اہل السنۃ کے موقف کی بھرپور تائید کی، انتظامیہ کے پرچہ درج کرنے پر یہ احتجاجی پروگرام پرامن طور پر اختتام پذیر ہوا۔

۱۵: حضرت مدظلہم سلانوالی، چنیوٹ، کبیروالا اور ملتان تشریف لے گئے، رات کا قیام دارالعلوم کبیروالا میں ہوا اور فجر کے بعد طلبہ سے بیان کیا، جامعہ خیر المدارس ملتان میں شوریٰ کے اجلاس میں شرکت فرمائی اور ۱۷ المحرم الحرام کو بخیر و عافیت واپس تشریف لے آئے۔

۱۷: جمعہ پر بیان کے علاوہ صدر جامعہ نے بعد عصر جامعہ میں اصلاحی درس بھی دیا۔

۱۹: حضرت مدظلہم سرگودھا تشریف لے گئے اور بلاک نمبر ۱۰ میں حفظ قرآن کریم کی تقریب میں شرکت فرمائی اور دعا کرائی۔

۲۴: آج قانون تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں متوقع ترمیم کے خلاف ملک گیر ہڑتال کے سلسلہ میں تحصیل ساہیوال میں بھی مکمل شٹر ڈاؤن ہڑتال ہوئی اور نماز جمعہ کے موقع پر شہر بھر کی تمام مساجد میں قرارداد مذمت منظور کی گئی۔

بعد از نماز جمعہ جامع مسجد میاں لال والی میں ایک احتجاجی جلسہ منعقد ہوا جس میں دیوبندی، بریلوی دونوں مکاتب فکر کے علماء کرام اور عوام نے شرکت کی صدر جامعہ نے بھی اس اجتماع سے ولولہ انگیز خطاب کیا اور حکومت کو خبردار کیا کہ وہ تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون میں کسی بھی قسم کی ترمیم سے باز رہے کیونکہ یہ مسلمانوں کے ایمان کا مسئلہ ہے اور اس قانون کے تحفظ کی خاطر مسلمانان پاکستان کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے، یہ احتجاجی جلسہ بے حد کامیاب رہا۔

فہیم ترمذی

بہشت وصل کے حقدار

کسی کی یاد میں گزرے شب وسحر مرکر
تمام عمر گزاری کسی نے مر مر کر
ہم انکے دل میں رہے تو ہیں لمحہ بھر ہی سہی
یہ التفات ہمیں بھی ملا مگر مرکر
ہم ایک لمحہ بھی تاخیر نا روا سمجھیں
بہشت وصل کے حقدار ہوں اگر مرکر
چمن مہکتا رہے جب تک اس کی یادوں کا
یہ واقعہ ہے کہ مرتا نہیں بشر مرکر
جنہیں تلاش رہے ہیں زمیں پر اہل زمیں
وہ جارہے ہیں فرشتوں کے دوش پر مرکر
مرے خدا انہیں رحمت سے تر بتر کردے
یہ تیری راہ میں آئے ہیں مار کر مرکر
اگرچہ اس کی حیات ایسی معتبر بھی نہ تھی
فہیم ایسا مرا ہوگیا امر مرکر